موت و زندگی

خواجہ شمس الدین عظیمی

موت و زندگی

www.ksars.org

فہرست

ترتیب وپیشکش 4

موت وزیست 6

ایثار 9

پتھر میں زندہ کیڑا 12

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ 15

آدم کی چھ ارب اولادیں 17

بیٹی کا خط باپ کے نام 20

حضور قلندر باباأولیاء اور مسلم سائنسدان 23

آدم وحوا 28

میرے من نے مجھے بتایا 31

12 کروڑ 61 لاکھ 44 ہزار 33

محاسبہ 37

طرز فکر 38

رمضان المبارک 40

مخلوق کی خدمت 51

قرآن علوم ظاہری و باطنی کا ماخذ و منبع ہے 57

تصوف کیا ہے؟ 67

www.ksars.org

سیرت طیبہ کی روشنی مین حکمت دیں 72

نظام کائنات اور روحانی سائنس 80

قرآن وسنت کی روشنی میں شیطانی قوتوں پر غلبہ حاصل کرنے کا طریقہ 87

محبت کیجئے نفرتوں سے نجات پایئے 90

دین ودنیا میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے ہمیں کیا طریقہ اختیار کرنا چاہیے؟...................................... 94

www.ksars.org

ترتیب وپیشکش

دور حاضر کے روحانی استاد اور بزرگ مرشد کریم حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب مدظلہ العالی کے کتابچوں پر مبنی تین کتابیں

۱۔اسم اعظم ۱۹ کتابچے ۱۹۹۵۔۷۔۹

۲۔ قوس قزح ۱۴ کتابچے ۲۰۰۲۔۱۔۲۷

۳۔ محبوب بغل میں ۱۳کتابچے ۲۰۰۳۔۱۔۲۷

آپ نے پڑھی ہوگی اور اپنے استاد کی زیر نگرانی تھیوری کے ساتھ پریکٹیکل یعنی مراقبہ بھی اس کے مطابق کیا ہوگا۔

آپ سے وعدہ تھا کہ مزید کتابچے آئیں گے تو ان کو بھی کتابی شکل میں پیش کر دیا جائے گا کتابچہ پڑھنے کے بعد اکثر طالب علم وہ کتابچہ کہیں رکھ دیتا ہے پھر جب اس کو دوبارہ ڈھونڈتا ہے تو وہ ملتا نہیں اس لئے سب کتابچوں کو کتابی شکل دے دی گئی ہے اور آپ جب چاہیں جہاں چاہیں مرشد کریم کے مضامین کو گہرائی کے ساتھ مطالعہ کریں اور ساتھ ساتھ اسی مناسبت سے پریکٹیکل یعنی مراقبہ کریں۔

اب چوتھی جلد میں مزید کتابچوں کو شامل کر کے موت وزندگی کے نام سے پیش کیا جارہی ہے۔اس میں کچھ کتابچے کراچی اور ورکشاپ کے بھی شامل کیے گئے ہیں۔

حضور قلندر باباولیاءؒ کا ارشاد اور ہر اولیاءاللہ کا قول بھی ہے ہم نے اللہ کو اللہ سے دیکھا اللہ کو اللہ سے سمجھا اور اللہ کو اللہ سے پایا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہمیں اسپیس کا علم ملا ہوا ہے۔ سپیس کا علم علم کی تجلی کو دیکھتا ہے۔جب سپیس کا علم آنکھوں سے دیکھا جائے، کانوں سے سنائی دے تو تجلی نظر آتی ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے کسی کو طاقت نہیں کہ اللہ سے کلام کرے مگر تین طریقوں سے (۱)وحی کے ذریعہ (۲)رسول کے ذریعے یا(۳)حجاب سے۔یہ تینوں سپیس میں حجاب بھی سپیس ہے وحی اسے کہتے ہیں جو سامنے منظر ہو وہ ختم ہو جائے اور پردے کے پیچھے جو منظر ہو وہ سامنے آجائے اور ایک آواز آتی ہے۔فرشتے کے ذریعے یا رسول اللہ ﷺ کے ذریعے کہ معنی یہ ہیں کہ فرشتہ سامنے آتا ہے اور اللہ کی طرف سے بات کرتا ہے اور حجاب کے معنی یہ ہیں کہ کوئی شکل سامنے آتی ہے اور اس طرح بات کرتی ہے جیسے کہ وہ اللہ تعالی ہے حالانکہ وہ اللہ تعالی نہیں ہے بلکہ حجاب ہے۔

مومن کی طرز فکر یہ ہوتی ہے کہ وہ ہر حالت کو چاہئے وہ خوشی کی ہو یا غم کی ہو یا مالی فروانی کی ہو۔ایک نظر سے دیکھتا ہے ہر مصیبت میں ثابت قدم رہتا ہے۔کیسے ہی حالات کیوں نہ ہوں وہ ناامیدی کے دلدل میں نہیں پھنستا اللہ کا شکر ادا کرنا اس کا شعار ہوتا ہے۔وہ یہ جانتا ہے جس طرح خوشی کا زمانہ آتا ہے اس طرح مصائب کا دور آنا بھی رد عمل ہے۔وہ آزمائش کے زمانے میں جدوجہد اور عمل کے راستے کو ترک نہیں کرتا کیوں کہ اس کی پوری زندگی ایک پیہم جدوجہد کرتی ہے

www.ksars.org

آخر میں آپ سے گزارش ہے کہ آپ علم حاصل کریں اس علم میں تفکر بھی کریں اور پریکٹیکل بھی کریں تا کہ آپ کے مشاہدے میں تفکر کے ذریعے ساری بات آجائے۔اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مجھے سلسلہ عظیمیہ کے ایک اونیٰ سے کارکن کی حیثیت سے میری یہ کاوش مرشد کریم خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب کی نظر میں قبول ہو اور ان کا روحانی فیض میرے اوپر محیط ہو اور مجھے تمام عالمین کی رفاقت نصیب ہو۔(آمین)

خشخش جناں قدر نہ میرا مرشد نوں وڈیائیاں

میں گلیاں دا روڑا کورا محل چڑھایا سائیاں

میاں مشتاق احمد عظیمی

تاریخ اشاعت ۲۷ جنوری ۲۰۱۰ روحانی فرزند خواجہ شمس الدین عظیمی

مراقبہ ہال 158۔مین بازار مزنگ لاہور

فون:.04237243541

www.ksars.org

موت وزیست

سب تعریف اللہ کو ہے جو رب ہے عالمین کا۔
مہربان اور رحم کرنے والا۔
انصاف کے دن کا مالک ہے۔
تیری ہی ہم بندگی کرتے ہیں اور تجھ سے ہی رحم کی مدد کے خواستگار ہیں۔
چلا ہم کو سیدھے راستے پر جو ان لوگوں کا راستہ جن کے اوپر تو نے فضل کیا ہے اور حفاظت کر ہماری ان لوگوں سے جن سے تو ناراض ہے اور بچا ہم کو بھٹکنے والوں سے۔
کائنات کی تنظیم اس طرح کی گئی ہے کہ

ایک ہستی کا کائنات کے اوپر پورا پورا کنٹرول ہے۔ کائنات کے اندر احتیاج ہے کائنات ہر قدم پر مجبور ہے۔ کائنات کنبہ کا ہر فرد دوسرے فرد کے ساتھ اس طرح ہم رشتہ ہے کہ باوجود یہ کہ وہ اپنی ذات میں منفرد ہے لیکن دوسرے فرد سے خود کو دور کر سکتا ہے اور نہ آزاد کر سکتا ہے۔ زمان اور مکان کائنات کی بساط اول ہے۔

مکان (زمین) اور زمان (آسمان) نہ ہوں تو زندگی عدم ہے عدم پر نقش و نگار حیات ہے۔ حیات حرکت ہے حرکت تقاضا ہے۔ تقاضا جذبہ ہے اور جذبہ حس (Sense) ہے جس سے حواس بنے حواس سے خود آگاہی حاصل ہوئی خود آگاہی نے من و تو میں امتیاز بخشا۔ یہ جان لیا کہ میں جزو ہوں وہ کل ہے کلّ ہے تو میں ہوں، وہ ابتدا ہے میں ابتدا کی انتہاء ہوں۔ وہ انتہاء ہے تو میں اس کا پرتو ہوں۔ پرتو نے اصل کی آوازِ الست سنی تو کان بن گئے۔ دیکھا تو آنکھیں روشن ہو گئیں۔ نور کا جھماکا ہوا تو بارہ کھرب سیل چارج ہو گئے۔ سیلز (خلیۓ) کھلے تو ایک نقطہ سے کھربوں نقطے متحرک ہو گئے۔ ''وہی ہے جس نے تخلیق کیا تم کو ایک نفس (نقطہ) سے'' کی تفسیر سامنے آ گئی۔ خالق کائنات اللہ کریم کا ارشاد ہے۔

''پاکی بول اپنے رب کے نام کی جو سب سے اعلیٰ ہے۔
جس نے بنایا' پھر ٹھیک کیا۔
اور جس نے معین مقداروں سے ہدایت دی۔
اور جس نے نکالا چارا پھر کر ڈالا اس کو کوڑا۔ ہم پڑھا دیں گے تجھ کو کہ پھر تو نہ بھولے گا۔
مگر جو وہ چاہے اللہ وہ جانتا ظاہر اور چھپا ہوا۔
اور آہستہ آہستہ پہنچائیں گے ہم تجھ کو آسانی تک
سو تو سمجھا اگر کام کرے سمجھنا۔
سمجھ جاوے گا جس کو ڈر ہو گا۔
اور سرک رہے گا اس سے بڑا بدبخت۔
اور جو پہنچے بڑی آگ میں۔ پھر نہ مرے گا اس میں نہ جیوے گا۔

www.ksars.org

بے شک بھلا ہوا اس کا جو سنورا۔

اور پڑھا نام اپنے رب کا پھر نماز قائم کی۔

کوئی نہیں تم آگے رکھتے ہو دنیا کا جینا۔

اور پچھلا گھر بہتر ہے رہنے والا۔

یہ کچھ لکھا ہے پہلے ورقوں میں۔

صحف ابراہیم اور صحف موسیٰ میں۔

☆☆☆☆☆

کچھ پہنچی تجھ کو بات اس چھپا لینے والے کی۔

کتنے منہ اس دن خوف زدہ ہیں۔

محنت کرتے تھکتے۔

پہنچیں گے دھکتی آگ میں۔

پانی ملے گا ایک چشمہ کھولتے کا۔

نہیں آس پاس کھانا مگر جھاڑ کانٹے

نہ موٹا کرے نہ کام آوے بھوک میں۔

کتنے منہ اس دن آسودہ ہیں۔

اپنی کمائی سے راضی۔

اونچے باغ میں۔

نہیں سنتے اس میں لغو بات۔

اس میں ایک چشمہ بہتا ہے۔

اس میں تخت ہیں اونچے بچھے اور آب خورے دھرے۔

اور غالیچے (قالین) قطار در قطار پڑے۔(Wall to Wall Carpeted)

مخمل کے نہالچے (چھوٹی توشک) کھنڈ رہے (رنگین ٹکڑوں سے بنی چادر بھلا کیا نگاہ نہیں کرتے انٹوں پر کیسے بنائے ہیں۔

اور آسمان پر کیسا بلند کیا ہے۔

اور پہاڑوں پر کیسے کھڑے ہیں۔

اور زمین پر کیسی صف بچھائی ہے۔

سو تو سمجھا تیرا کام یہی ہے سمجھانا۔

تو نہیں ہے اور ان پر داروغہ۔

مگر جس نے منہ موڑا اور منکر ہوا۔

تو عذاب کرے گا اس کو اللہ وہ عذاب۔

www.ksars.org

بے شک ہمارے پاس ہے ان کو واپس آنا پھر بیشک ہمارا ذمہ ہے ان سے حساب لینا۔

سورہ الاعلیٰ سورۃ الغاشیہ میں کائناتی کنبہ کے سرپرست اعلیٰ کہکشانی نظاموں کے خالق اکبر اور عالمین کے رب نے اپنی صفات بیان کرکے واضح کیا ہے…

کہ کائنات دو رخوں (units) سے مرکب ہے ایک یونٹ یکتا واحد نرادھار بے نیاز اور ہر قسم کی احتیاج سے پاک…خالق جو دیتا ہے لیکن کہیں سے کچھ لیتا نہیں اور نہ ہی دیتا ہے ایک زندگی ہے دوسری زندگی میں اور دوسری زندگی سے تیسری زندگی میں الٹ پلٹ کرتا رہتا ہے میں خود زندہ دکھادے۔ قائم بالذات ہے حیات و ممات سے ماوراء ہے جس نے زمین کو بچھونا بنادیا ہے جس نے پہاڑوں کو میخیں بنا کر زمین میں گاڑ دیا ہے جس نے سات آسمانوں کی چھتوں کو دیواروں اور ستونوں کے بغیر کھڑا کر دیا ہے جس نے سورج کی ڈیوٹی لگادی ہے کہ وہ زمین میں سے اگتی ہوئی کھیتوں کو پکائے۔اور جس نے چاند کو حکم دے دیا کہ وہ کھیتوں میں اور زمین میں مٹھاس منتقل کرتا رہے زمین سے قطار در قطار درخت اگادیئے ہیں رنگ رنگ کے پھول زمین کے لئے جھومر بنادیئے ہیں۔

اور دوسرا یونٹ زمین کی مخلوق ہے۔ جس میں سے سب سے افضل مخلوق آدم ہے۔ وہ آدم جو محتاج ہے بے اختیار ہے۔ کبھی موت کا پنجہ اسے دبوچ لیتا ہے اور کبھی حیات اسے سہارا دیتی ہے۔

اور اگر خالق کائنات اللہ کریم کے ارشادات کے مطابق وہ خالق اکبر اللہ کو جان لیتا ہے کہ کل کا جزو اور اصل کا پرتو ہے تب من وتو کا پردہ اٹھ جاتا ہے بندہ اپنی نفی کرکے پکار اٹھتا ہے۔

میرا یقین ہے کہ ہر امر اللہ کی طرف سے ہے۔

میرا جینا مرنا سب اللہ کے حکم کے تابع ہے۔

www.ksars.org

ایثار

''اور ہم نے ایسے ہی طور پر ابراہیمؑ کو آسمانوں اور زمین کی مخلوقات دکھائیں تاکہ وہ عارف ہو جائیں اور کامل یقین کرنے والوں میں سے ہو جائیں پھر جب رات کی تاریکی ان پر چھا گئی تو انہوں نے ایک ستارہ دیکھا، حضرت ابراہیمؑ فرمایا یہ میرا رب ہے، سو جب وہ غروب ہو گیا تو آپؑ نے فرمایا، میں غروب ہو جانے والوں سے محبت نہیں رکھتا، پھر جب چاند کو چمکتا ہوا دیکھا تو فرمایا یہ میرا رب ہے، سو جب وہ غروب ہو گیا تو فرمایا اگر مجھ کو میرا رب ہدایت نہ کرتا رہے تو میں گمراہ لوگوں میں شامل ہو جاؤں، پھر جب آفتاب کو چمکتا ہوا دیکھا تو فرمایا یہ میرا رب ہے، یہ سب سے بڑا ہے، سو جب وہ غروب ہو گیا تو آپ نے فرمایا۔ اے قوم! بے شک میں تمہارے شرک سے بیزار ہوں، میں اپنا رخ اس کی طرف کرتا ہوں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں اور ان سے ان کی قوم نے حجت کرنا شروع کی، آپؑ نے فرمایا تم اللہ کے معاملے میں مجھ سے حجت کرتے ہو حالانکہ اس نے مجھ کو طریقہ بتلا دیا تھا اور ان چیزوں سے جن کو تم اللہ کا شریک بناتے ہو، نہیں ڈرتا۔ ہاں، اگر میرا پروردگار ہی کوئی امر چاہے میرا پروردگار ہر چیز کو اپنے علم کے گھیرے میں لئے ہوئے ہے، کیا تم پھر خیال نہیں کرتے اور میں ان چیزوں سے کیسے ڈروں جن کو تم نے شریک بنایا حالانکہ تم اس بات سے نہیں ڈرتے کہ تم نے اللہ کے ساتھ ایسی چیزوں کو شریک ٹھہرایا جن پر اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی۔

سوان دو جماعتوں میں سے امن کے زیادہ مستحق کون ہیں؟ اگر تم خبر رکھتے ہو تو جو لوگ ایمان رکھتے ہیں اور اپنے ایمان کو شرک کے ساتھ مخلوط نہیں کرتے ایسوں ہی کے لئے امن ہے اور وہی راہ ہدایت پر چل رہے ہیں۔ اور یہ ہماری صحبت تھی جو ہم نے ابراہیمؑ کو ان کی قوم کے مقابلے میں دی تھی، ہم جس کو چاہتے ہیں رتبہ میں بڑھا دیتے ہیں، بے شک آپ کا رب بڑا علم والا بڑی حکمت والا ہے۔''

)سورۃ انعام۔ آیت ۷۶ تا ۸۴ پارہ ۷(

حضرت ابراہیمؑ کے والد آذر بت تراش تھے۔ اپنے فن میں یگانہ روزگار تھے۔ فن بت تراشی میں انہیں اس درجہ کمال حاصل تھا کہ ان کے بنائے ہوئے بتوں کو بادشاہ پوجتے تھے۔ فرزند آذر حضرت ابراہیمؑ نے ایسے گھر میں آنکھ کھولی جہاں انہیں دنیا کی ہر آسائش میسر تھی۔ زر و جواہرات سے خزانے بھرے ہوئے تھے، اس آسائش و آرام کی زندگی میں انہوں نے سوچا کہ میں کون ہوں؟ کہاں سے آیا ہوں؟ اور میری زندگی کا مقصد کیا ہے؟ اگر میں صرف آذر کا بیٹا ہوں تو آذر کون ہے؟ اگر میرا باپ آذر ایک بہترین بت تراش ہے تو میرے باپ نے بت تراشی کا انتخاب کیوں کیا؟ بادشاہ کو فہم و عقل کا اعلیٰ کردار سمجھا جاتا تھا، یہ کیسا بادشاہ ہے کہ اپنے جیسے فانی انسان کے ہاتھ سے تراشے ہوئے پتھر کو خدا مانتا ہے اور اس کے سامنے سربسجود ہو جاتا ہے؟

روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت ابراہیمؑ کسی سوچ میں گم کھڑے تھے کہ ایک کتا آیا اور اس نے ٹانگ اٹھا کر ان کے سب سے بڑے بت پر پیشاب کر دیا اور کتا وہاں سے چلا گیا۔ حضرت ابراہیمؑ نے سوچا کہ بناوٹی خدا کے لئے اس سے زیادہ بڑی دلیل کوئی اور نہیں ہو سکتی اور حضرت ابراہیمؑ نے اس سوال کا جواب ڈھونڈنا شروع کر دیا کہ میں کون ہوں؟ کہاں سے آیا ہوں؟ مجھے کس نے پیدا کیا ہے؟ اور میری زندگی کا مقصد کیا ہے؟ حضرت ابراہیمؑ نے زمین کے اوپر موجود اللہ تعالیٰ کی بے شمار تخلیقات پر غور و فکر کیا تاکہ انہیں یقین کی قوت حاصل ہو جائے، ذہن گہرائی کی حد و عروج تک پہنچا تو گہرائی میں ''علو'' پیدا ہوا اور آنکھیں آسمان کی طرف اٹھ گئیں اور انہوں

www.ksars.org

نے رات کی تاریکی میں ایک ستارہ دیکھا فرمایا۔ یہ میرا رب ہے جب وہ غروب ہو گیا تو اس سے زیادہ چمک دمک والے سیارے چاند کو دیکھا اور فرمایا یہ میرا رب ہے وہ بھی غروب ہو گیا تو سورج کے بارے میں فرمایا۔ یہ سب سے زیادہ روشن اور تابناک ہے سو جب سورج بھی غروب ہو گیا تو فرمایا کہ میں اپنا رخ اس کی طرف کرتا ہوں جس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا۔

زمینی زندگی پر غور و فکر کرتے وقت یقیناً یہ بات حضرت ابراہیمؑ کے سامنے آئی ہو گی کہ انسان کے اوپر ایک وقت ایسا آتا ہے جب وہ مر جاتا ہے، اگر انسان کی زندگی کا دارو مدار پانی، ہوا، آکسیجن اور فضاء میں موجود دوسری گیسز ہیں تو مردہ حالت میں بھی یہ سب چیزیں موجود رہتی ہیں۔ اگر ہوا، پانی اور غذا ہی انسانی زندگی کا سبب ہے تو کسی مردہ جسم کو ان چیزوں کے ذریعے زندہ کرنا ناممکن نہ ہوتا۔ اس تفکر سے یہ حقیقت بے نقاب ہو جاتی ہے کہ انسانی زندگی کا سبب ہوا، پانی غذا نہیں بلکہ کچھ اور ہے۔ ہم جب آدمی کی پوری زندگی کا تجزیہ کرتے ہیں تو یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ انسانی زندگی برابر برابر دو حصوں میں تقسیم ہے۔ ایک حصہ سارا کا سارا مادی ہے اور دوسرا حصہ سارا کا سارا مادیت کی نفی ہے، مادیت کی نفی دراصل غیر رب کی نفی ہے۔

حضرت ابراہیمؑ کے واقعہ میں مادیت یا غیر رب کی نفی کی روشن اور واضح مثالیں ہیں۔

حضرت ابراہیمؑ نے خواب میں دیکھا کہ وہ اپنے بیٹے حضرت اسمٰعیلؑ کو ذبح کر رہے ہیں چونکہ یہ عمل انہوں نے خواب (غیر مادی شعور) میں دیکھا اس لئے مادی شعور کی نفی کر کے اس خواب کو پورا کر دکھایا یعنی اپنے عمل سے غیر رب کی نفی کر دی۔

اللہ تعالیٰ نہایت رحیم و کریم ہے کہ اللہ کو غیر رب کی نفی کا یہ عمل اتنا زیادہ پسند آیا کہ انہوں نے حضرت ابراہیمؑ کے اس ایثار کو اس قربانی کو اور مادیت کی نفی کو قبول کیا اور پوری امت مسلمہ پر قربانی فرض کر دی گئی۔

حضرت ابراہیمؑ جب حضرت ہاجرہؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کو بے آب و گیاہ وادی مکہ میں چھوڑ کر جانے لگے تو حضرت ہاجرہؑ نے پیچھے سے آواز دی، حضرت ابراہیمؑ رک گئے، حضرت ہاجرہؑ نے اپنے ہم سفر، رفیق اپنے مقدس و منور شوہر سے کہا:

''میں صرف اتنا پوچھنا چاہتی ہوں کہ آپ کا یہ عمل اللہ کی طرف سے ہے؟''

حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا ''ہاں''۔

حضرت ہاجرہؑ پانی کی تلاش میں صفا سے مروہ کی طرف اور مروہ سے صفا کی طرف دوڑتی رہیں تھیں۔ قدرت کو حضرت ہاجرہؑ کا یہ کہنا کہ ہمارے ساتھ اللہ کا ہونا کافی ہے، اللہ کو اتنا پسند آیا کہ زمین سے آب زمزم کا چشمہ ابل پڑا اور اللہ تعالیٰ نے اپنی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے حضرت ہاجرہؑ کے اس عمل کو حج اور عمرہ قرار دے دیا

اور فرمایا:

''ان الصفا و المروۃ من شعائر اللہ''

قربانی، حج، صفا مروہ پر سعی طواف کعبہ سب دراصل غیر رب کی نفی اور ایثار کی تمثیلات ہیں۔

عید الاضحیٰ کی تقریب ایک ارب مسلمانوں کو یہ پیغام دیتی ہے کہ اپنے جد امجد حضرت ابراہیمؑ اور اپنی دادی محترمہ حضرت ہاجرہؑ کی طرز فکر کے مطابق متحد ہو کر مسلمان غیر رب کی نفی کے لئے ایثار کریں تو ان کے اوپر بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت اور خوشنودی عام ہو جائے گی۔

ارکان اسلام پر غور کرنے سے یہ بات ایک بچہ بھی جان لیتا ہے کہ اسلام مکمل طور پر اجتماعی پروگرام ہے، چھوٹے چھوٹے اجتماعی پروگرام (مساجد میں پانچ وقت باجماعت صلوٰۃ، جمعہ کی نماز، سحر وافطار) کی کامیابی کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے عید الفطر، حج اور

www.ksars.org

عید قرباں کا اجتماعی پروگرام عطا کیا ہے تا کہ ایک ارب مسلمان یہ بات اچھی طرح سمجھ لیں کہ اگر اجماع امت ہے تو ترقی ہے، عروج ہے، حکمراں ہے، اختراعات وایجادات ہیں،علوم میں فروغ ہے۔

اس کے برعکس آج اجماع امت میں نہیں ہے، دیوبندی، بریلوی، غیر مقلد، شیعہ، سنی، نجدی، وہابی اور نامعلوم کتنے فرقوں میں لوگ بٹے ہوئے ہیں۔ یہ عمل تفرقہ ہے، حکمرانی کے عمل سے فرار ہے، عروج کی جگہ ذلت ومسکینیت ہے، حاکمیت کی جگہ غلامی ہے، قوم کی تذلیل ہے اور علوم سے محرومی ہے۔

www.ksars.org

پتھر میں زندہ کیڑا

کائنات دراصل گروہی تقسیم ہے۔ یہ گروہی تقسیم ایک ایسا سسٹم ہے جس میں ہر گروہ نہ چاہتے ہوئے بھی ایک دوسرے کے ساتھ مشترک ہے۔ گروہی تقسیم سے مراد کائنات میں مختلف النوع مخلوقات ہیں۔ ہر مخلوق شکل و صورت، خدوخال، مزاج اور عملی کارکردگی کے اعتبار سے گو کہ مختلف نظر آتی ہے لیکن سسٹم کی اکائی سے کوئی مخلوق فرار اختیار نہیں کر سکتی۔

ہر مخلوق اس کی حیثیت کچھ بھی ہو، اجتماعی ذہن رکھتی ہے۔ یہ اجتماعی ذہن تقسیم ہو کر کسی مخلوق کا انفرادی عمل بنتا ہے۔

زمین پر لاکھوں کی تعداد میں مخلوقات موجود ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ حیوانات کی اقسام دس لاکھ سے بھی زیادہ ہیں۔ زمین پر پودوں کی بھی تعداد کئی لاکھ ہے۔ اسی طرح اشجار کی تعداد بھی کئی سو ہزار سے زیادہ ہے۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ پانچ لاکھ قسم کے پرندے زمین پر موجود ہیں۔ سمندر کے اندر موجود مخلوق لاکھوں قسموں سے کسی طرح کم نہیں ہے۔ اسی طرح زمین پر رینگنے والے کیڑے اور حشرات الارض کی قسمیں شمار کرنا ممکن نہیں ہے۔

تمام مخلوقات کروڑوں اور اربوں سالوں سے زندہ ہیں۔ اور زندہ رہنے کے لئے خوراک حاصل کرتی ہیں۔ ایسی مخلوقات بھی بیشمار ہیں جو خود اپنی اصناف کو کھا کر زندہ رہتی ہیں۔ اس کے باوجود کہ یہاں ہر مخلوق دوسری مخلوق کے لئے غذائی ایندھن بن رہی ہے، مخلوق ختم نہیں ہوتی۔ مخلوقات جب ایک دوسرے کو کھا رہی ہیں تو یہ بات حیران کن ہے کہ زمین پر اتنی بڑی تعداد میں جاندار کس طرح زندہ ہیں۔ ہر مخلوق چاہے وہ کتنی بھی کمزور ہو، چھوٹی ہو، نادیدہ ہو، اپنی نسل کو جاری رکھے ہوئے ہے۔ مردم شماری کے مطابق انسان زمین پر چھ ارب ہیں۔ ہر انسان دن میں تین مرتبہ کھانا کھاتا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ زمین کے دستر خواں پر ہر روز تقریباً اٹھارہ ارب انسان کھانا کھاتے ہیں۔

- دیمک چیونٹی سے چھوٹا ایک کیڑا ہے۔ سائنس بتاتی ہے کہ دیمک دوسرے حشرات کی طرح انڈے دے کر اپنی نسل بڑھاتی ہے۔ ایک دیمک عام طور پر ایک ہزار سے دو ہزار انڈے دیتی ہے۔ دیمک کی ایک دوسری قسم ایک وقت میں بیس لاکھ انڈے دیتی ہے۔ تحقیقات سے یہ ثابت ہوا ہے کہ یہ انڈے بہت سے دوسرے حشرات کے لئے بے حد لذیذ اور مرغوب غذا ہیں۔ ان بیس لاکھ انڈوں میں سے پانچ سو انڈے بچ جاتے ہیں اور اس طرح دیمک کی نسل چلتی رہتی ہے۔

- کارخانہ حیات پر اور کارخانہ حیات کی قدرت پر غور کیا جائے تو انکشاف ہوتا ہے کہ زمین پر موجود ہر شئے دوسری شئے کے لئے خوراک بن رہی ہے۔ اس کے باوجود نسلی سلسلہ قائم ہے۔ مخلوقات کے ذریعہ حیات کی ترسیل کا خدائی نظام موجود ہے۔

ایک خاص قسم کا الو اپنی مخصوص جگہ پر حرکت کئے بغیر بیٹھا رہتا ہے۔ اپنے انر سے ایک برقی شعاع خارج کرتا ہے جس کے اثر سے ایک چڑیا اس کے سامنے آ کر بیٹھ جاتی ہے اور الو اسے پکڑ لیتا ہے۔

راقم الحروف کا ذاتی مشاہدہ ہے کہ جب ماربل کی سل کو آرے سے چیرا گیا تو اس کے اندر سبز رنگ کا زندہ کیڑا موجود تھا۔

سائنس بتاتی ہے کہ:

www.ksars.org

جلتے ہوئے آتش فشانوں سے بہنے والے لاوے غار بن جاتے ہیں چونکہ غاریں گرم لاوے سے وجود میں آتی ہیں جس کا درجہ حرارت دو سو سے تین ہزار سینٹی گریڈ ہوتا ہے۔ان غاروں میں نئی زندگی کی تخلیق کے ممکنات پر تحقیق کرنے والی ایک ٹیم نے ایک غار میں سانپ سے ملتی جلتی ایک مخلوق کا سراغ لگایا ہے۔پہلے تو انہیں خیال آیا کہ یہ باہر کی عام دنیا کا ایک سانپ ہے مگر یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ اس مخلوق کا سانپ کی نسل سے کوئی تعلق نہیں تھا۔بلکہ وہ ایک دیو ہیکل کیڑا تھا جو تقریباً دو میٹر لمبا تھا۔مگر بہت زیادہ حیرت اس وقت ہوئی جب اس کا معائنہ لیبارٹری میں کیا گیا۔اس کیڑے میں نہ تو نظام ہضم تھا اور نہ ہی نظام تنفس تھا۔اس مخلوق میں صرف دل تھا۔یہ انکشاف ایک معمہ بن گیا۔یہ کس طرح زندہ رہتا ہوگا؟ کیسے کھاتا ہوگا؟ اور کس طرح سانس لیتا ہوگا؟اس مخلوق کی جلد پر تحقیق نے یہ معمہ حل کر دیا۔اس کی جلد پر رہنے والے خوردبینی جراثیم (بیکٹیریا) سے خوراک مہیا کرتے تھے۔انہیں کے ذریعے یہ مخلوق آکسیجن حاصل کرتی تھی۔

سوچنے کی یہ بات ہے کہ یہ کیڑا اس غار میں پیدا ہوا جسے آتش فشاں کی بے پناہ آگ نے جلا کر خاکستر کر دیا تھا۔

یہ پیدا کیسے ہوا؟

زندہ کیسے رہا؟

نشوونما کیسے ہوئی؟

دو میٹر لمبا کس طرح ہو گیا؟

اور اس کا ارتقاء کس طرح ہوا؟

❖ کروڑوں اربوں پرندے زمین کی فضا میں موجود رہتے ہیں۔یہ پرندے کھانا کھاتے ہیں، پانی پیتے ہیں اور حیات و ممات کے سلسلے میں دوسرے تمام گروہوں کے ساتھ قدرے مشترک رکھتے ہیں۔

انسانی زندگی ہو، حیوانی زندگی ہو، حشرات الارض کی زندگی ہو یا پرندوں کی زندگی ہو سب ایک زنجیر میں بندھے ہوئے ہیں، حیات و ممات کی زنجیر سے زمین پر موجود کوئی بھی مخلوق آزاد نہیں ہے، آزاد نہیں ہو سکتی، آزاد نہیں تھی، حیات و ممات ایک مسلسل حرکت ہے اور حرکت توانائی کے بغیر ممکن نہیں اور توانائی کے لئے غذا کا ہونا ضروری ہے۔

❖ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پرندے کہاں سے کھاتے ہیں؟

اتنی بڑی تعداد اگر کھیتی باڑی سے حاصل شدہ گندم یا چاول کھانے لگے تو انسان بھوکا مر جائے گا، کارساز حیات کی قدرت پر قربان جایئے کہ۔

فضاء میں پرندوں کے غول اڑتے ہیں اور انہیں پرواز کے لئے انرجی کی ضرورت ہوتی ہے اور توانائی کے لئے غذا کا حصول ضروری ہے۔پرندے فضاء میں سے زمین پر اترتے ہیں اس سے پہلے کہ ان کے پنجے زمین پر لگیں وہاں ان کے لئے غذا موجود ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"کتنے ہی جانور ہیں جو اپنا رزق اٹھائے نہیں پھرتے۔

اللہ تعالیٰ ان کو رزق دیتا ہے۔

اور تمہارا رازق بھی وہی ہے

وہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔" (العنکبوت۔۶۰)

www.ksars.org

❖ زمین، فضاء، خلاء اور آسمان پر تفکر کرنے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کائنات میں جتنی بھی اشیاء یا مخلوقات ہیں وہ سب اپنا ایک تشخص رکھتی ہیں ان کی اپنی انفرادیت ہے اور ان کے اندر ایثار ہے کہ وہ دوسری مخلوق کے کام آئیں۔

❖ ہم زمین پر بیج بوتے ہیں، بیج مخلوق کی ایک قسم ہے، بیج ایک گروہ ہے، اس بنیاد پر گروہ ہے کہ آم بیر نہیں ہوتا، بیر انجیر نہیں ہوتا، انجیر کیلا نہیں ہوتا، کیلا شہتوت نہیں ہوتا، جس طرح بیج کی قسمیں الگ الگ ہیں اسی طرح درختوں کی قسمیں یا گروہ الگ الگ ہیں، آم کے درخت کے پتے شہتوت کے درخت کے پتوں کی طرح نہیں ہیں، بادام کے درخت کے پتے بیری کے پتوں سے مختلف ہیں، امرود کے درخت کے پتوں اور انار کے درخت کے پتوں میں نمایاں فرق ہے، نہ صرف یہ کہ گروہی اعتبار سے پتوں کے خدوخال جدا جدا ہیں درختوں میں سے پیدا ہونے والے پھل بھی الگ الگ ہیں۔

❖ انار، امرود، انجیر، جامن، آم، چیکو، شریفہ اور مختلف اقسام کے پھلوں کو ایک ٹرے میں سجایئے اور غور کیجئے۔۔

کیا یہ سب ایک ہیں؟

ہر گز ایک نہیں ہیں۔

سب الگ الگ ہیں،

رنگ الگ ہے، ذائقہ الگ ہے، شکل وصورت الگ ہے، خوشبو الگ ہے۔۔؟

جس طرح انسان انسان ہے، پودے پودے ہیں، جس طرح گھاس گھاس ہے لیکن نظام قدرت اور کائناتی گروہی نظام یہ ہے، ہر گروہ دوسرے گروہ کے کام آرہا ہے اور ہر گروہ دوسرے گروہ کے لئے غذا بن رہا ہے، ہر گروہ دوسرے گروہ سے نہ تو متصادم ہے اور نہ ایک گروہ دوسرے گروہ میں تحلیل ہو رہا ہے اس کے باوجود ہر شئے دوسرے شئے کے لئے کسی نہ کسی عنوان سے غذا بن رہی ہے، اپنا وجود قائم رکھے ہوئے ہے۔

❖ یہ وجود کس طرح قائم ہے؟

وجود کے قیام میں یہ اسرار ہے کہ تمام مخلوق پر حاکمیت ایک ہستی کی ہے، اگر ایک ہستی کی حاکمیت نہ ہوتی تو ہر گروہ ہر نوع، نوع کی ہر قسم ایک دوسرے سے ٹکرا کر ریزہ ریزہ ہو جاتی، واحد ہستی اللہ تعالی کی بنائی ہوئی لوح محفوظ میں تمام مخلوقات کا ریکارڈ محفوظ کیا ہے جسے ایک کمپیوٹر کی طرح فیڈ کیا گیا ہے۔ لوح محفوظ میں یہ بات ریکارڈ ہے کہ کس طرح مخلوق مخلوق کے کام آئے گی۔

❖ اللہ تعالی نے آدم کی اولاد کو اس کے باپ آدم کا ورثہ منتقل کیا ہے یہ وہ علم ہے جو آدم کے علاوہ کائنات میں کسی مخلوق کو حاصل نہیں ہے۔

قدرت کی سائنس کا یہ علم آدم زاد کو اس لئے دیا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالی کی صناعی، اللہ تعالی کی حاکمیت، اللہ تعالی کی قدرت اور اللہ تعالی کی ربوبیت کا ادراک حاصل کرے اس کے بر خلاف جو بھی سوچ ہے جو بھی تفکر ہے جو بھی علم ہے وہ سب خود فریبی اور سراب ہے۔

www.ksars.org

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ

موجودہ سائنس تلاش و جستجو کے اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ پوری کائنات ایک ہی قوت کا مظاہرہ ہے۔ یہ انکشاف نیا نہیں ہے۔ ہمارے اسلاف میں کتنے ہی لوگ اس بات کو بیان کر چکے ہیں کہ کائنات کے تمام مظاہر کو ایک ہی توانائی کنڑول کر رہی ہے اور اس قوت کا براہ راست اللہ تعالیٰ کے ساتھ ربط ہے۔ قرآن اس حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

اللہ آسمانوں اور زمین کی روشنی ہے۔

ہم مادی سائنس اور اپنے اسلاف کے علوم کا موازنہ کرتے ہیں تو یہ دیکھ کر ہمارے اوپر حیرت کے باب کھل جاتے ہیں کہ اب سے تقریباً آٹھ صدی پہلے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ ایک ایسے عظیم سائنس داں تھے جو فطرت کے قوانین کو جانتے تھے جن کے وجود مسعود سے آفاقی قوانین کے رازہائے سربستہ کا انکشاف ہوا ہے۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فطرت کے قوانین کے استعمال کا جو طریقہ بتا گئے ہیں اور انہوں نے ان قوانین کو سمجھنے کی جو راہ متعین کی ہے وہاں آج کی سائنس کھربوں ڈالر خرچ کر کے بھی نہیں پہنچ سکتی ہے۔

سائنسی علوم کی ترقی اور کامیابی کا ایک بڑا فیکٹر بجلی یا الیکٹرسٹی ہے اور اب یہ بات سامنے آچکی ہے کہ ہر موجود شئے میں برقی اور مقناطیسی لہریں موجود ہیں ہیں مختلف اشیاء میں یہ لہریں مختلف تناسب اور مقداروں میں کام کرتی ہیں جبکہ ان لہروں کو ایک بنیادی قوت زندگی مہیا کر رہی ہے۔ یہی لہریں ہیں جو زندگی اور زندگی کے تمام عوامل و حرکات کو قائم رکھے ہوئے ہیں۔

شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ نے بتایا ہے کہ زمین اور آسمان کا وجود اس روشنی پر قائم ہے جس کو اللہ تعالیٰ کا نور فیڈ کرتا ہے۔ اگر نوع انسانی کا ذہن مادہ سے ہٹ کر اس روشنی میں مرکوز ہو جائے تو وہ یہ سمجھنے پر قادر ہو جائے گا کہ انسان کے اندر عظیم الشان ماورائی صلاحیتیں ذخیرہ کر دی گئی ہیں جن کو استعمال کر کے نہ صرف یہ کہ وہ زمین پر پھیلی ہوئی اشیاء کو اپنا مطیع و فرمانبردار بنا سکتا ہے بلکہ ان کے اندر کام کرنے والی قوتوں اور لہروں کو حسب منشاء استعمال کر سکتا ہے۔ پوری کائنات اس کے سامنے ایک نقطہ یا دائرہ بن کر اس کے سامنے آجاتی ہے۔ اس مقام پر انسان مادی وسائل کا محتاج نہیں رہتا۔ وسائل اس کے سامنے سربسجود ہو جاتے ہیں۔ ہم جب قرآن کی تعلیم اور رسول اللہ ﷺ کی سیرت کو دیکھتے ہیں اور مسلمانوں کی حالت پر نظر ڈالتے ہیں تو سوائے افسوس کے کچھ حاصل نہیں ہوتا اس لئے کہ قرآن کی حقیقی تعلیم اور مسلمانوں کے عمل میں بہت بڑا تضاد واقع ہو چکا ہے۔ قرآن جس راہ کا تعین کرتا ہے۔ اور مسلمان جس راستہ پر چل رہا ہے یہ دونوں دو ایسی لکیروں کی طرح ہیں جو آپس میں کبھی نہیں ملتیں۔

اللہ نے انسان کو اپنا نائب بنایا ہے اس کے اندر اپنی صفات کا علم عطا کیا ہے اس کو اپنی صورت پر تخلیق کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ وسائل کی محتاجی کے بغیر حاکم ہے جس طرح خدا نے کن کہہ کر کائنات کو وجود بخشا ہے خدا کا نائب بھی اللہ کی عطا کردہ اختیارات سے تخلیق میں تصرف کر سکتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا نائب اس بات سے واقف ہوتا ہے کہ کائنات میں موجود تمام مظاہر ایک ہی ذات سے ہم رشتہ ہیں جو خالق و مالک ہے اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنا نائب (خلیفہ) بنایا ہے مسلمان کے پاس ماورائی علوم کا جتنا بڑا سرمایہ موجود ہے، وہ اسی مناسبت سے مفلوک الحال ہے۔ مسلمان کے اسلاف نے اس کے لئے حاکمیت اور تسخیر کائنات کے بڑے بڑے خزانے میں چھوڑے ہیں لیکن یہ اس قوم کی بدنصیبی ہے جس نے ہیرے کو پتھر کہہ کر پھینک دیا ہے اور اس خزانے سے مستفیض ہونے کی صلاحیت کھو بیٹھی

www.ksars.org

ہے۔ یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ مصلحتوں کے پیش نظر مسلمان کو تفکر کی راہ سے دور ہٹا دیا گیا ہے اور اس کے سامنے ایسی نہج آ گئی ہے جہاں اس کا ہر عمل کاروبار بن گیا ہے۔ کتنی مضحکہ خیز ہے یہ بات کہ قرآن کائنات پر ہماری حاکمیت اور سرداری کو تسلیم کر رہا ہے، ہمارے اوپر حاکمیت اور سرداری کے دروازے کھول رہا ہے اور ہم قرآن کو محض برکت کی کتاب سمجھ کر طاقوں میں سجائے رکھتے ہیں۔ جب کوئی افتاد پڑتی ہے تو اس کی آیات کی تلاوت کر کے دنیاوی مصائب سے نجات کی دعائیں مانگتے ہیں مگر اس طرف ہماری توجہ مبذول نہیں ہوتی کہ قرآن میں تفکر اگر ہمارا شعار بن جائے اور ہم اس تفکر کے نتیجے میں میدان عمل میں اتر آئیں تو ساری کائنات پر ہماری سرداری مسلم ہے۔ افسوس کہ ہم ان خزانوں کو نظر انداز کر کے دوسروں کے دست نگر بنے ہوئے ہیں۔ قرآن کے ارشاد کے مطابق اللہ تعالیٰ نے ہمیں شمس و قمر، نجوم، ارض و سماوات سب پر حاکم بنا دیا ہے اور اس حاکمیت کو حاصل کرنے کے طریقے بھی بتائے ہیں لیکن ہم ہیں کہ ہر شعبۂ زندگی میں دوسروں کے پس خوردہ نوالوں کو اپنی زندگی کا حاصل مقصد سمجھ بیٹھے ہیں۔

ہماری زندگی محض دنیا کے حصول تک محدود ہو گئی ہیں ہماری عبادتوں میں دکھاوا آ گیا ہے ہم اعمال کے ظاہری پہلو کو تو بہت اہمیت دیتے ہیں مگر باطن میں بہتے ہوئے سمندر میں سے ایک قطرۂ آب بھی نہیں پیتے۔

آسمان علم و آگاہی کے خورشید منفرد اور تسخیر کائنات کے فارمولوں کے ماہر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں۔

"اے منافقو! کلام نبوت سنو۔"

آخرت کو دنیا کے عوض فروخت کرنے والو!

باقی کو فانی کے بدلے کاروبار کرنے والو!

تمہارا بیوپار سراسر خسارے کا سودا ہے، تمہارا سرمایہ تمہیں بربادی کے گڑھے میں دھکیل رہا ہے۔

افسوس تم پر۔

تم اللہ تعالیٰ کے غضب کا ہدف بن رہے ہو۔۔۔۔۔!

www.ksars.org

آدم کی چھ ارب اولادیں

کہا جاتا ہے کہ یہ دنیا سترہ بار ختم ہو کر دوبارہ آباد ہوئی ہے۔ تاریخی شواہد سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ایک معین وقت کے بعد وہ معین وقت دس ہزار سال بھی ہو سکتا ہے۔ خشک زمین پر آباد دنیا تہہ آب آجاتی ہے سمندر زمین بن جاتے ہیں اور زمین سمندر بن جاتی ہے۔

تاریخ یہ بھی بتاتی ہے کہ انسان کا سفر ہر مرتبہ زمین کے اندر غاروں سے شروع ہوتا ہے اور بتدریج شعور جوان ہوتا ہے اور جیسے جیسے شعور جوانی کی دہلیز پر قدم بڑھاتا ہے انسان ترقی یافتہ کہلاتا ہے لیکن یہ بات ہر زمانے میں موجود رہتی ہے کہ انسان شعوری تقاضے پورے کرتا ہے۔ شعوری تقاضے کس طرح پورے کرتا ہے کہ ''کس طرح'' ہی ارتقاء ہے۔ کسی زمانے میں انسان آگ کا استعمال سیکھ کر ترقی کرتا ہے اور کبھی لوہے کی دریافت ترقی کا ذریعہ بنتی ہے اور ارتقاء کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ انسان توانائی کے علم سے واقف ہو جائے۔

غاروں کی زندگی کا دور ہو، دھات کی دریافت کا زمانہ ہو، آگ سے واقفیت ہو یا انسانی ذہن توانائی کے فارمولوں سے واقف ہو جائے۔ بہر حال انسان گھٹتا، بڑھتا، مٹتا اور فنا ہوتا رہتا ہے۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ بڑے بڑے بادشاہ جو لوگوں سے خراج وصول کرتے تھے جب زیر زمین دفن ہو جاتے ہیں تو یہ لوگ جو خراج دیتے تھے اس زمین کو جس میں وہ دفن ہیں پیروں تلے روندتے پھرتے ہیں۔

آبادی کی توجیہہ کی جائے تو آبادی دراصل گھٹنے اور بڑھنے کا نام ہے۔ اس وقت زمین پر چھ ارب انسان آباد ہیں یقیناً یہ آبادی پہلے بہت کم تھی اور ہو سکتا ہے کہ چھ ارب کی آبادی اکیسویں صدی میں ایک ارب ہو جائے۔

زمین جس سسٹم پر چل رہی ہے۔ اس میں بنیادی عنصر یہ ہے کہ ہر مخلوق ایک نقطہ ہے۔ یہ سسٹم اس لئے ضروری ہے کہ نقطہ کا پھیلاؤ اگر تقسیم در تقسیم ہوتا رہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو سسٹم میں ایسی خرابی واقع ہو جائے گی کہ سارا سسٹم تباہ و برباد ہو جائے گا اور جب سسٹم میں خرابی واقع ہوتی ہے۔ زمین سمندر بن جاتی ہے اور سمندر زمین بن جاتا ہے۔ دانشور مساوات کا درس دیتے ہیں۔ مفکرین ہیومن رائٹس کا نعرہ لگاتے ہیں سود و زیاں کا ایک سلسلہ ہے جو اس وقت سے قائم ہے جب سے دنیا آباد ہے اور اس وقت تک قائم رہے گا جب یہ سیارہ Collaps ہو گا۔

کسی نظام کو چلانے اور قائم رکھنے کیلئے ضروری ہے کہ نظام چلانے کیلئے توانائی موجود ہو توانائی فراہم کرنے کیلئے ضروری ہے کہ توانائی کی تخلیق ہوتی رہے۔ تخلیق کے لئے ضروری ہے کہ اسے فیڈ نگ ملتی رہے اور جب ہم فیڈ نگ کا تذکرہ کرتے ہیں تو لا محالہ ذہن اس طرف جاتا ہے کہ کوئی ہستی ہے جو پورے نظام کو سنبھالے ہوئے ہے۔

مقتدر اعلیٰ ہستی جب کچھ کہتی ہے تو مثالوں اور ٹکڑوں میں بیان کرتی ہے اس لئے کہ انسانی شعور کی ابتدا میں بہت چھوٹا ہے اور مسلسل بڑھتا ہے۔ اور بڑھتے بڑھتے یہاں تک پہنچا ہے کہ اپنے اندر موجود لگ بھگ دو کھرب صلاحیتوں میں دو سو سے زائد صلاحیتوں پر عبور حاصل کر لیتا ہے۔ انتہائی غور طلب بات یہ ہے کہ دو کھرب میں سے دو سو کے قریب صلاحیتوں پر عبور حاصل کرنے والا بندہ دنیا میں ذہین ترین فرد سمجھا جاتا ہے اور یہی باشعور، باصلاحیت، دانشور، علامہ، مفکر اور سائنسدان کہلاتا ہے۔ شعور کی یہ محدودیت اس بات کی متقاضی ہے کہ بہت بڑی بات کو چھوٹی بات میں بیان کیا جائے۔ مقتدر اعلیٰ ہستی کہتی ہے:۔

www.ksars.org

''یہ نظام (سسٹم) نورالاعلیٰ نور ہے جس پر چاہے اسے کھول دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ لوگوں کو مثالوں سے سمجھاتا ہے۔'' (القرآن)

نوعِ انسانی کا ہر فرد یہ بات جانتا ہے کہ آدمی آدمؑ کا بیٹا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ایک باپ آدمؑ کی چھ ارب اولادیں ہیں۔ یہ چھ ارب اولادیں وہ ہیں جو زمانے کی شکست وریخت سے بچ گئی ہیں اور جواب شکست وریخت کے بھنور میں آچکی ہیں۔

یہ کون نہیں جانتا کہ آدمؑ کا ہر بیٹا، ہر بیٹی حالات کے ہاتھ میں کھلونا ہے۔ حالات کھلونے میں جس طرح چابی بھر دیتے ہیں کھلونا چلتا ہے، کودتا ہے، روتا ہے، ہنستا ہے، سوتا ہے، جاگتا ہے، جیتا ہے اور مرتا ہے۔ دنیا کا کوئی آدمی یہ نہیں چاہتا کہ بوڑھا ہو لیکن بوڑھا ہوتا ہے۔ سنکھوں کی تعداد میں زمین پر آنے والے اور جانے والے لوگوں میں کوئی نہیں چاہتا کہ وہ مر جائے لیکن مرنا اتنا ہی یقینی ہے جتنا یقین زندگی پر ہے۔

بات بہت بڑی ہے چھوٹی کر کے بیان کرنا مقصود ہے انسانی شماریات سے کہیں زیادہ بڑی تعداد میں سسٹم کے کل پرزوں پر غور کیا جائے تو اندھی آنکھ کو بھی نظر آتا ہے کہ یہ سارا سسٹم ٹکڑوں اور فنائیت پر تقسیم شدہ ہے۔ جیسے جیسے آدمؑ کی اولاد زمین پر پھیلتی گئی اسی مناسبت سے سسٹم تقسیم ہوتا رہا۔ چار اولادوں کے لئے ایک مکان بنا، چار سے زائد اولادوں کے لئے دوسرا مکان بنا، جیسے جیسے تعداد میں اضافہ ہوتا رہا خاندان، کنبہ، برادری، قبیلے، قومیں تشکیل ہوتی رہیں۔ حقیقت پر مبنی ان مثالوں سے ثابت ہیں کہ جب تک کوئی چیز ٹکڑے ٹکڑے ہو کر نہیں پھیلتی اس کا وجود مظہر نہیں بنتا۔ زمین کی یہ ڈیوٹی ہے کہ ٹکڑوں کو ذرات میں تبدیل کرے یہ ذرات ہی زمین کا کنبہ ہیں۔

مثال یہ ہے کہ ہم زمین کا ایک قطعہ تیار کریں اور قطعہ پر آم، بادام، امرود، انار، ناریل، چیکو، شریف، جامن، پپیتہ، سیب، گنا، پھول ترکاریاں وغیرہ کاشت کریں۔ جیسے ہی کسی ایک نوع کا بیج جس کو ہم نطفہ کہہ سکتے ہیں، زمین کے رحم میں داخل ہو جاتا ہے۔ زمین اسے توڑ دیتی ہے اور بیج زمین کے ذرات میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

بیج کا فنا ہونا بیج کا مٹ جانا بیج کی اپنی حیثیت ختم ہو جانا ہی دراصل زمین کے اوپر درختوں، پودوں، پھلوں اور پھولوں کا مظاہرہ ہے۔

یہ بات شعور کی ہے کس شعور کی؟

اس شعور کی جو دو کھرب خلیوں میں سے دو سو خلیوں پر قائم ہے مسئلہ یہ ہے کہ ایک کھرب ننانوے کروڑ ننانوے لاکھ ننانوے ہزار آٹھ سو خلیئے کہاں گئے۔ ہم ان سے واقف کیوں نہیں ہیں۔ جب کہ وہ ہمارے اندر موجود ہیں۔ ہم اتنی بڑی تعداد کو اس لئے بھولے ہوئے ہیں کہ ہم دو سو صلاحیتوں کے گرداب میں قید ہو چکے ہیں اور قید سے آزادی نہیں چاہتے۔ قانون یہ ہے کہ جو چیز خود کو فنائیت میں منتقل کر دیتی ہے وہ چیز پھیلتی ہے، بڑھتی ہے۔ برگد کا درخت آپ کے سامنے ہے۔ مشہور ہے کہ برگد کے درخت کے نیچے باراتیں ٹھہرتی ہیں۔ تھکے ماندے مسافر بارش اور دھوپ میں برگد کا سایہ تلاش کرتے ہیں۔

آپ کیا سمجھے؟ میں کیا عرض کر رہا ہوں؟

آپ کیا سمجھے؟ کہ میں آپ کی توجہ کس طرف مبذول کرنا چاہتا ہوں؟

آپ کیا سمجھے کہ میں آپ کو کن گہرائیوں سے آشنا کرنا چاہتا ہوں؟

آپ کیا سمجھے کہ میں ''علم لدنی'' کا کونسا قاعدہ پڑھا رہا ہوں؟

www.ksars.org

برگد کا بیج خشخاش کے دانے سے چھوٹا ہوتا ہے۔ لیکن جب زمین کے اندر جا کر اپنے مادی جسم (شعوری نظام) کو فنائیت میں تبدیل کر دیتا ہے تو قدرت اس ایثار کو پسند کرتی ہے اور برگد کا بیج جو خشخاش سے چھوٹا ہوتا ہے بہت بڑا درخت بن جاتا ہے۔

اسی طرح جب کوئی انسان اپنے مادی وجود (شعوری نظام) کو روحانی نظام میں فنا کر دیتا ہے تو وہ حضور قلندر بابا اولیاءؒ کے ارشاد کے مطابق: ''شجر سایہ دار بن جاتا ہے۔

www.ksars.org

بیٹی کا خط باپ کے نام

پیارے ابا جی

السلام وعلیکم

اللہ کی ڈھیر ساری عنایتیں اور رحمتیں آپ کے اوپر مزید ہوں مجھے یقین ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے اس لئے کہ آپ ہم سب کے لئے ابر رحمت اور سایہ شفقت ہیں ہماری آنکھوں کی روشنی اور ہمارے دل کا قرار ہیں اتنے سارے لوگوں کی آنکھوں کی روشنی بھلا کیسے مدہم ہو سکتی ہے اتنے سارے لوگوں کا سکون 'بے قرار ہو جائے تو لوگ خوف اور غم سے نڈھال ہو جائیں گے اور اللہ تعالٰی یہ نہیں چاہتا کہ اس کی مخلوق خوف اور غم میں مبتلا ہو کر زندگی گزارے۔

ابا جی آپ میرے باپ ہیں لیکن ایک اور رشتہ یہ ہے کہ میں آپ کی روح کا ایک حصہ ہوں آپ کے اندر نورانی وجود کا پرت ہوں۔

اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے اور ساری روشنی اللہ تعالٰی کے نور کا عکس ہے میں آپ کی بیٹی آپ کی روشنی کا عکس ہوں۔

چار مہینے پاکستان میں رہنے کے بعد زندگی کی روٹین بالکل ہی بدل گئی تھی یہاں پہنچ کر وقت مختلف لگتا ہے ایسا لگتا ہے زندگی جن لمحات پر رواں دواں ہے ان میں سکوت پیدا ہو گیا ہے کیفیات میں وقت ٹھہر گیا ہے۔رات کو دس بجے مغرب ہوتی ہے صبح پتہ نہیں کب ہوتی ہے۔یہاں تو مرغا بانگ بھی نہیں دیتا۔

آپ نے دوران تعلیم مجھے بتایا تھا۔۔۔؟

"ہم آئینہ کو نہیں آئینہ ہمیں دیکھ رہا ہے ہم آئینہ کے دیکھنے کو دیکھ رہے ہیں۔"

اس کا مطلب یہ ہوا کہ

"آئینہ کے دکھانے میں گڑ بڑ اور نقص ہے آئینہ ٹھیک ہونا چاہئے۔"

میں نے آپ سے کہا تھا۔

"اگر آئینے کو دیکھنے کے بعد وہم ہوتا ہے یا وسوسہ دل میں داخل ہوتا ہے۔ تو آئینہ کو توڑ دوں"

آپ لیٹے لیٹے اٹھ کر بیٹھ گئے اور کہا نہیں نہیں آئینہ کیوں توڑ دیں، آئینہ ٹوٹ جائے گا تو زندگی بکھر جائے گی آئینہ کو اس یقین کے ساتھ دیکھو کہ تمہاری تصویر تمہیں متوازن نظر آجائے۔

میں نے یہاں آکر تجربہ کیا اور سوچ لیا کہ میں ایک متوازن لڑکی ہوں لیکن آئینے کے سامنے جا کر اپ سیٹ ہو گئی۔

ابا جی!

مجھے یقین چاہیے ایسا یقین جس کی روشنی میں مجھے ہر چیز روشن نظر آئے۔

میں دبے قدموں (کہ آپ بے آرام نہ ہوں) اوپر کی منزل میں آپ کے کمرے میں آپ کو دیکھنے گئی تھی رات کافی گزر چکی تھی آپ سو رہے تھے پتہ نہیں کیسے آپ نے کروٹ بدلے بغیر کہا کون؟ ہما بیٹی ہے؟ میں اپنی بھیگی آنکھوں کی پلکوں سے آپ کے تلووں کو چھوا آپ اٹھ بیٹھے اور میرے سر پر ہاتھ رکھا مجھے لگا کہ میرا وجود مرکری روشنی میں منتقل ہو گیا ہے۔

www.ksars.org

آپ نے بتایا اگر نسمہ میں خراشیں پڑ جائیں تو جسم غیر متوازن ہو جاتا ہے نسمہ کی مفرد لکیروں کو متوازن کر دیا جائے تو جسم متوازن اور صحت مند ہو جاتا ہے میں گھنٹوں سوچتی رہی یہ نسمہ کی مرکب اور مفرد لکیروں کا کیوں اور کیسے تذکرہ آ گیا۔۔۔

مجھے اس کا جواب یہاں آ کر مل گیا ہے ہر فرد بشر کو دو طرح کے خیالات آتے ہیں متوازن اور غیر متوازن خیالات میرے ذہن میں یہ خیال القاء ہوا کہ لکیروں کو متوازن کرنے کے لئے لہروں اور شعاعوں کا سہارا لینا چاہیے۔

ابا جی!

میں نے لیمپ کے اوپر نیلے رنگ کا سیلوفین پیپر لگا کر منہ میں شعاعیں ڈالنے کا عمل شروع کیا لہروں اور شعاعوں کو گھونٹ گھونٹ کر کے پی گئی اس عمل سے میرے اندر یقین فوارہ بن کر ابل پڑا مجھے یاد آیا آپ نے کہا تھا۔۔۔

یقین سے پہاڑ بھی نہ صرف ہل جاتے ہیں بلکہ ریزہ ریزہ ہو جاتے ہیں میں نے آپ سے پوچھا تھا کہ یقین کرنے سے میرے وجود میں بشری تقاضوں کے تحت جو کمزوریاں ہیں کیا وہ دور ہو جائیں گی؟

آپ نے کہا تھا۔۔۔ہاں دور ہو جائیں گی۔

روشنیوں کو ان ہیل کرنے سے ایک مضمون ذہن میں آیا ہے۔

قرآن بتاتا ہے۔

انسان کی تخلیق 'روشنیوں کی وہ معین مقداریں ہیں جو جسمانی ساخت کو ایک خاص حرکت اور پروسیس کے تحت خصوصی اعداد و شمار سے قائم رکھتی ہیں۔ جسمانی اعضاء دراصل لاکھوں، کروڑوں خلیات کا ایسا وجودی عمل ہیں جیسے ہمارے منہ میں ۳۲ دانت ہیں ہر اس شخص کے منہ میں جس کے ۳۲ دانت ہیں ایک ہی طرح کی حرکت ہو گی ۳۲ ایک مرکب ہندسہ ہے جو ۲ اور ۳ سے مل کر بنا ہے سولہ ۱۶ کی جمع ۳۲ ہے۔

دو کا نصف ایک ہے یعنی آخری عدد ایک ہوا ۲=۱+۱ دراصل ایک ہی کا ہندسہ یا عدد ہے جو اپنے اندر بے شمار ہندسوں کو تخلیق کر رہا ہے ایک کا ہندسہ ایک لکیر ہے اس لکیر کی آڑھی ترچھی شکلیں ہی دوسرے اعداد یا ہندسہ کی شکل ہیں لکیر کے جتنے زاویئے بنتے رہیں گے اعداد بھی بنتے رہیں گے لکیر کو اگر لہر تسلیم کر لیا جائے جیسے کہ لکیر لہر ہے تو بات سمجھ میں آ جاتی ہے لہروں کی تقسیم اگر درست ہے اور لہروں میں مقداریں متوازن ہیں تو آدم زاد متوازن، صحت مند اور خوب رو ہے لہروں میں مقداریں متوازن نہیں تو آدمی غیر متوازن، بیمار اور بدصورت ہے۔

آپ نے کہا تھا۔۔۔

نسمہ کی مفرد لکیروں کو متوازن کر دیا جائے تو جسم متوازن اور صحت مند ہو جاتا ہے۔

ابا جی!

آپ نے چند جملوں میں علم کا دریا بہا دیا ہے میں نے آپ کی بات پر جب اور زیادہ غور کیا تو یہ عقدہ کھلا کہ ہر انسان اپنے آپ کو اپنے چہرے کی مناسبت سے دیکھتا ہے جب وہ چہرے میں توازن نہیں پاتا تو عدم توازن کا شکار ہو جاتا ہے خود کو ٹھیک کرنا کوئی مشکل مرحلہ نہیں ہے۔۔۔

www.ksars.org

۳۲ایسی تصویریں جو آپ کو ہر لحاظ سے خوش شکل نظر آئیں جمع کر لیں لیکن سب تصویریں ہنستی ہوئی ہونی چاہییں ان ۳۲ تصویروں کو دن رات میں دو' تین اور پانچ مرتبہ دیکھ لیا کریں میں نے مشاہداتی تجربہ کیا ہے کہ نسمہ کی لکیروں اور زندگی بخشنے والی لہروں میں توازن پیدا ہو جاتا ہے اپنے اندر یقین کی روشنیاں بیدار اور متحرک ہو جاتی ہیں آخر میں یہ دعا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہر عظیمی بہن بھائی کو ہمیشہ مسکراتا رکھے آمین پیارے ابا جی!

صلبی رشتہ سے آپ کی شفقت آپ کی دعاؤں اور روحانی رشتہ سے نظر کرم کی محتاج ہوں۔

میری خوشدامین صاحبہ حضرت سعیدہ خاتون عظیمی نے مجھے ماں کا پیار دیا ہے ان کے اعلیٰ درجات کے لئے آپ سے توجہ کی درخواست ہے۔

آپ کی بیٹی

ہما فاران شہزاد عظیمی

سالفورڈ انگلینڈ

www.ksars.org

حضور قلندر باباولیاءاور مسلم سائنسدان

یہ دور علم کا دور ہے اور نئی نئی ایجادات کے حوالے سے سائنس کا زمانہ ہے آنکھ کا اندھا بھی اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ موجودہ زمانے کی ساری ترقی تحقیق اور علم کے اوپر قائم ہے قوموں کے عروج وزوال کی تاریخ واضح طور پر یہ انکشاف کرتی ہے کہ جن قوموں نے جدوجہد نہیں کی وہ علمی خزانوں سے تہی دست ہو گئیں، ذلت ورسوائی ان کا مقدر بن گئی۔

چودہ سو سال پہلے زمین پر جہالت کی سیاہ چادر پھیلی ہوئی تھی، ہر طرف فساد برپا تھا۔ جہالت اور بربریت کی اس سے زیادہ بری مثال اور کیا ہو سکتی ہے کہ والدین اولاد کو قتل کر دیا کرتے تھے۔ بے حیائی اور فحاشی کوئی خلاف عقل بات نہ تھی۔ زمین جب فساد اور خون خرابے سے بھر گئی اور اشرف المخلوقات نے انسانی حدود کو پھلانگ کر حیوانیت کو اپنا لیا اور اللہ تعالیٰ کے عطاء کردہ انعام ''فی الارض خلیفہ'' کے منصب کو یکسر بھول گیا تو اللہ تعالیٰ نے زمین کو دوبارہ پرسکون بنانے کے لئے اپنے محبوب بندے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔

اس برگزیدہ مقدس اور مطہر بندے نے عجیب وغریب، حیرت انگیز، محدود ولامحدود رنگ رنگ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کو اس طرح کھول کھول کر بیان کیا کہ ابتدائی دور میں زمین وآسمان کی حقیقت عربوں پر عیاں ہو گئی۔

قرآن نے بتایا:

بیشک زمین وآسمان کی پیدائش رات اور دن کے بار بار ظاہر ہونے اور چھپنے میں ان عقلمندوں کے لے نشانیاں ہیں جو لوگ اٹھتے، بیٹھتے، لیٹتے اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں غور وفکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے اللہ تعالیٰ تو نے یہ سب فضول اور بے مقصد نہیں بنایا اور ہمیں دوزخ کی آگ سے محفوظ کر دے (سورۃ آل عمران۔ آیت نمبر ۱۹۰۔۱۹۱)

کیا ان لوگوں نے آسمان کی طرف نہیں دیکھا کہ ہم نے اس کو آراستہ کیا اور اس میں کسی قسم کا سقم نہیں ہے اور زمین کو ہم نے پھیلایا اور اس میں پہاڑ بنائے اور اس میں سے ہر قسم کی خوشنما چیزیں اگائیں، یہ ان لوگوں کے لئے ہے جو دانا اور بینا ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والے ہیں (سورۃ ق۔ آیت نمبر ۶ تا ۸)

عربوں پر علم ودانش آشکار ہو گئی اور جب مسلمان علم کی تلاش میں صف بستہ ہو گئے تو انہوں نے علم کا کوئی شعبہ نہیں چھوڑا جو ان کی تحقیقات سے تشنہ رہا ہو۔ ان کی تحقیقات پوری امت مسلمہ کے لئے سبق آموز ہیں اور عبرت انگیز بھی۔ مغربی ممالک کی لائبریریاں آج بھی مسلمان اسلاف کی کتابوں سے بھری پڑی ہیں۔ یہ وہ دانشور مسلمان ہیں جنہوں نے تحقیقات کر کے علوم کی شمعیں روشن کیں۔ مسلمانوں نے دنیا میں اس وقت روشنی پھیلائی جب دنیا جہالت کی تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی ان مین سے چند محققین، مفکرین اور سائنسدانوں کے نام یہ ہیں۔ عبدالملک اسمعی نے علم ریاضی، علم حیوانات، علم نباتات اور انسان کی پیدائش اور ارتقاء پر تحقیق کی۔ عبدالملک اسمعی علم سائنس کا پہلا بانی ہے اس سے پہلے سائنس کے علم کا وجود تاریخ کے صفحات پر موجود نہیں ہے۔

جابر بن حیان کی کتابوں کے تراجم پندرھویں صدی عیسوی تک یورپ کی مختلف یونیورسٹیوں میں پڑھائے جاتے رہے ہیں۔ اس نے کپڑے کو واٹر پروف، لوہے کو زنگ سے محفوظ رکھنے اور شیشے کو رنگین کرنے کا طریقہ ایجاد کیا۔

www.ksars.org

محمد بن موسیٰ الخوارزمی نے صفر کا اضافہ کر کے ہندسوں کی قدر کو بڑھایا۔ اس نے کرۂ ارض اور ستاروں کے نقشے بنائے اور جغرافیہ میں تحقیقات کیں۔

علی ابن سہیل ربان الطبری نے فردوس الحکمت کے نام سے طب پر ایک مکمل کتاب لکھی۔

یعقوب بن اسحاق الکندی علم فلکیات، کیمسٹری، موسیقی اور طبیعات میں ماہر تھا۔ یعقوب ابن اسحاق الکندی 225 کتابوں کا مصنف ہے۔

ابوالقاسم عباس بن فرناس ہوا میں اڑنے کے تجربے کرتا رہا اس کی کوششیں ہوائی جہاز بننے کا پیش خیمہ ثابت ہوئیں۔ دھوپ گھڑی بھی اس کی ایجاد ہے۔ ثابت ابن قرۃ نے لیور اور گیئر ایجاد کئے۔ لیور اور گیئر نہ ہوتے تو آج ہم بڑی بڑی مشینوں کے ذریعہ نئی نئی ایجاد نہیں کر سکتے تھے۔

ابو بکر محمد بن زکریا الرازی کو سرجری میں مہارت حاصل تھی۔ آپریشن کے بعد جلد کو سینے کا طریقہ بھی اس کی ایجاد ہے۔

ابوالنصر الفارابی نے موسیقی کا ایک آلہ ایجاد کیا تھا جس کی آواز سے سننے والا کبھی سو جاتا تھا، کبھی روتا تھا اور کبھی ہنستا تھا۔

ابوالحسن المسعودی سب سے پہلا شخص ہے جس نے بتایا کہ زمین کی جگہ سمندر تھا اور سمندر کی جگہ زمین۔ یہ بات اس نے اس وقت بتائی تھی جب پیمائش کے لئے کوئی آلہ موجود نہیں تھا۔

ابن سینا میڈیکل سائنس کا ماہر تھا اس نے علم الابدان کا نقشہ بنایا اور اس کے الگ الگ حصے کر کے اس کی تصویریں بنائیں۔ موجودہ میڈیکل سائنس میں ANATOMY اسی کی تحریر کردہ کتاب کا ترجمہ ہے۔ ابن سینا نے جسمانی حرارت ناپنے کا آلہ ایجاد کیا جو تھرمامیٹر کی صورت میں آج بھی موجود ہے۔ علیٰ ہذا القیاس بیان کردہ سائنس دانوں کے علاوہ انیس یا بیس مسلمان سائنسدان اور ہیں جنہوں نے تحقیق و تلاش کے بعد سائنسی علوم کی بنیاد رکھی۔

عربوں سے پہلے یورپ، امریکہ، مصر اور ایشیائی ممالک چین، ہندوستان اور جاپان وغیرہ میں سائنس کا عمل دخل نہیں تھا۔ البتہ یونان میں کسی قدر علم موجود تھا۔ علمی تحقیقات اور نئی نئی ایجادات کی طرف رغبت پیغمبر اسلام حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی تعلیمات کا نتیجہ ہے۔ قرآن پاک کے نازل ہونے کے بعد سرزمین عرب جب علم کی روشنی سے منور ہوئی اس وقت مغربی ممالک میں تہذیب و تمدن کا کوئی نشان نہ تھا۔ روس کے لوگ انسانی کھوپڑیوں میں پانی پیتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان صحرا نشینوں کی زندگی بدل دی قرآن کے علم اور قرآن کے بتائے ہوئے روشن راستے پر چل کر پچاس سال کی مختصر مدت میں مسلمانوں نے آدھے سے زیادہ دنیا فتح کر لی۔ قیصر و کسریٰ کی سلطنتیں مسلمانوں کے قدموں پر جھک گئیں۔ قرآنی آیات کے انوار سے روشن دل مسلمانوں نے دنیا میں انقلاب برپا کر دیا اور دنیا کو ایک نئی تہذیب و تمدن سے آراستہ کر دیا۔

قرآنی نظریہ کے مطابق مسلم اسلاف کی لکھی ہوئی کتابوں کے تراجم ہوئے تو ان تحریروں کو یورپ میں اتنی زیادہ پذیرائی حاصل ہوئی کہ وہاں یونیورسٹیاں قائم ہو گئیں۔ مختلف علوم سائنس و فلکیات اور ریاضی پر لکھی ہوئی کتابیں چار سو سال تک وہاں کی یونیورسٹیوں کے نصاب میں داخل رہیں۔ یورپ کے مورخ اس بات پر متفق ہیں کہ عرب نہ ہوتے تو یورپ علم کی روشنی سے محروم رہ جاتا۔

www.ksars.org

پانچویں اور چھٹی صدی ہجری کے بعد مسلمانوں کا علمی زوال شروع ہوا۔امت مسلمہ قرآنی تحقیق و تفکر (تصوف) سے دور ہو گئی اور قرآن کی زبان میں حاصل شدہ علوم کو بھلا بیٹھی جس کے نتیجہ میں مسلمانوں نے قرآن کے انوار و حکمت سے خود ساختہ دوری قبول کرلی۔ مسلمانوں نے تفکر کرنا چھوڑ دیا پھر یہ سلسلہ دراز ہوتا چلا گیا۔قرآنی علوم کے ذریعہ معاشی، معاشرتی اور روحانی زندگی کی جو شمع روشن ہوئی تھی قوم نے اس کی طرف سے آنکھیں بند کرلیں تسخیر کائنات جو قرآن کا پورا اور مکمل تیسرا علم ہے اس کی طرف سے توجہ ہٹ گئی اور عالم اسلام اس شعور سے محروم ہو گیا جو چودہ سو سال پہلے قرآن نے عطا کیا تھا اور جب کوئی قوم تفکر، تحقیق و تلاش، بصیرت و حکمت اور نور علیٰ نور فہم وفراست سے محروم ہو جاتی ہے تو گروہوں اور فرقوں میں تقسیم ہو جاتی ہے اور اجتماعیت ختم ہو جاتی۔

اس گروہ بندی اور فرقوں میں تقسیم مسلمان قوم کی حالت زار دیکھ کر حضرت عبدالقادر جیلانیؒ نے امت مسلمہ کی شیرازہ بندی کے لئے پروگرام ترغیب دیا۔انہوں نے یہ بات باطنی اور ظاہری طور پر محسوس کرلی تھی کہ مسلم امہ کا زوال دراصل قرآنی تعلیمات سے انحراف اور روحانی قدروں سے دوری ہے۔ جسمانی تقاضے، جسمانی احساسات کسی بھی قسم کا علمی ادراک اسی وقت ممکن ہے جب جسم کو متحرک کرنے والی جسم کو زندگی عطا کرنے والی جسمانی شعور کو فیڈ کرنے والی روح موجود ہو۔

قرآن نے اس حقیقت کو معاد کے نام سے بیان کیا ہے۔

حضرت پیران پیر دستگیر نے ٹوٹے اور بکھرے ہوئے مسلم معاشرہ کی درجہ بندی کے لئے مجالس منعقد کیں، وعظ اور نصیحت کی محفلیں سجائیں اور ان کی کاوشوں سے سلسلہ قادریہ کی بنیاد پڑی اور یہ سلسلہ ان کے جانشینوں نے، ان کی اولادوں نے اور رسول اللہ ﷺ کی امت کے علمائے حق نے جاری رکھا۔

روحانی سلسلوں میں بھی سازشی لوگوں نے اپنا عمل دخل جاری رکھا اور لوگوں کی توجہ کشف و کرامات کی طرف مبذول کر دی۔اس طرز فکر کو کچھ اس طرح آگے بڑھایا گیا کہ لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ روحانیت کا مطلب کشف و کرامات کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ اس طرح پیران پیر دستگیر کی کاوش اور جدوجہد پر ایک نیا پردہ آ گیا۔ دوسری بات جو حقیقت کے برخلاف بیان کی گئی وہ یہ تھی کہ تسخیر کائنات یا روحانی علوم حاصل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ انسان دنیا بیزار ہو کر جنگل میں جا بیٹھے۔اس کا بڑا نقصان یہ ہوا کہ مسلمان قوم ریسرچ سے محروم ہو گئی اور غیر مسلم اقوام نے علم کائنات میں ترقی کرلی۔ جب حالات بہت زیادہ دگرگوں ہو گئے، تحقیق و تلاش پر غیر مسلم اقوام نے پہرے بٹھا دیئے تو قدرت نے اس جمود کو ختم کرنے کے لئے حسن اخریٰ، سید محمد عظیم برخیا المعروف قلندر بابا اولیاءؒ کی ذات کو ظاہر کیا۔ آج کے دور میں ہر آدمی یہ بات جانتا ہے کہ سو سال پہلے جو باتیں کرامات کے زمرے میں بیان کی جاتی تھیں وہ سائنسی نظام کے تحت عام ہو گئی ہیں۔اب یہ کہنا کہ فلاں بزرگ کو پانچ جگہ یا سات جگہ دیکھا گیا تھا ایک بہت کم وزن بات ہے۔

حضور قلندر بابا اولیاءؒ حسب ذیل گیارہ سلاسل سے فیض یافتہ ہیں:

۱۔ قلندریہ: امام سلسلہ حضرت ذوالنون مصریؒ

۲۔ نوریہ: امام سلسلہ حضرت موسیٰ کاظم رضاؒ

۳۔ چشتیہ: امام سلسلہ حضرت ممشاد دینوریؒ

۴۔ نقشبندیہ: امام سلسلہ حضرت شیخ بہاء الحق نقشبند خواجہ باقی باللہؒ

۵۔ سہروردیہ: امام سلسلہ حضرت ابوالقاہرؒ

۶۔ قادریہ: امام سلسلہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ

www.ksars.org

۷۔طیفوریہ:امام سلسلہ حضرت بایزید بسطامیؒ

۸۔جنیدیہ:امام سلسلہ حضرت ابوالقاسم جنید بغدادیؒ

۹۔ملامتیہ:امام سلسلہ حضرت ذوالنون مصریؒ

۱۰۔فردوسیہ:امام سلسلہ حضرت نجم الدین کبریٰؒ

۱۱۔تاجیہ:امام سلسلہ حضرت صغریٰ تاج الدینؒ

حضور قلندر بابااولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے نوع انسانی کی باطنی اور جسمانی ترقی کیلئے نظریہ توحید ورسالت کے تحت پروگرام ترتیب دیا۔اس پروگرام کو سائنسی بنیاد پر اس لئے استوار کیا گیا کہ اس دور میں کوئی بات اس وقت قابل یقین سمجھی جاتی ہے۔جب اس کے پیچھے سائنسی بنیاد پر دلیل موجود ہو۔اس Method کو متعارف کرانے کے لئے سلسلہ عظیمیہ نام تجویز ہوا سلسلہ عظیمیہ دراصل مادی سائنسی ترقی کی چکاچوند میں ایک مینارۂ نور ہے جس کی روشنی اب ترقی پذیر اور ترقی یافتہ ملکوں میں پہنچ چکی ہے۔

قلندر بابااولیاءؒ فرماتے ہیں۔

"روحانی تعلیمات ہمیں بتاتی ہے کہ روحانی انسان ہر لمحہ مرتا ہے اور ایک لمحہ کی موت انسان کے اگلے لمحے کی زندگی کا پیش خیمہ بن جاتی ہے۔"

قلندر بابااولیاءؒ فرماتے ہیں۔

"تھوڑے سے تفکر سے پتہ چلتا ہے کہ زندگی کی جتنی بھی کاوشیں ہیں،چاہے وہ اعمال ہوں علم ہو فہم ہو،اخلاقیات ہوں،یہ سب قبر تک معمولات ہیں اگر زندگی اور حیات کی ہم آہنگی کا ادراک انسان کرلے تو آدمی حیات ابدی کا مزہ اسی زندگی کے لیل ونہار میں حاصل کرلیتا ہے۔"

قلندر بابااولیاءؒ فرماتے ہیں۔

"ہم واضح طور پر دیکھتے ہیں کہ آج کا انسان مادی ماحول میں اس قدر گھر چکا ہے کہ وہ مذہب کو بھی جس کا کام ہی انسان پر باطنی دنیا روشن کرنا ہے،کو بھی مادی لذتوں کا وسیلہ بنانے پر بضد ہے۔ مذہب کا نام استعمال کرنے والے تو بہت ہیں مگر ایمان، یقین اور مشاہدے کی طلب اس دور میں ناپید ہو چکی ہے۔ جب صاحب ایمان ہی ناپید ہو جائیں تو ایمان کی طلب کون کرے گا۔"

قلندر بابااولیاءؒ نے فرماتے ہیں۔

آج کا سائنس دان موجودہ سائنسی ترقی کو نوع انسانی کا انتہائی شعور سمجھتا ہے۔یہ بلاشبہ ایک گمراہ کن سوچ ہے،اسی لئے ہمیں قرآن بتاتا ہے۔

"انسان کی ترقی حضرت سلیمان علیہ السلام کے دور میں اتنی تھی کہ ایک شخص نے جو پیغمبر نہیں تھا،پلک جھپکنے کے وقفے میں ڈیڑھ ہزار میل کے طویل فاصلے سے مادی شکل میں تخت منتقل کردیا تھا۔"

یہ بات سائنسدانوں کیلئے لمحۂ فکریہ ہے کیونکہ وہ اتنی ترقی ہوتے ہوئے بھی کسی معمولی سی چیز کو بغیر مادی وسیلہ کے حرکت نہیں دے سکتے۔

قلندر بابااولیاءؒ فرماتے ہیں:

www.ksars.org

"دانشوروں کا کردار گزشتہ صدیوں سے آج تک انتہائی مایوس کن رہا ہے۔انہوں نے کبھی انسانی تفکر کو اس طرف مائل نہیں کیا اور انہوں نے کبھی نہیں بتایا کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم بغیر کسی وسیلے کے جسمانی طور پر کون سی سائنس کے ذریعے معراج کے شرف سے مشرف ہوئے۔"

قلندر بابا اولیاءؒ نے اپنی کتاب لوح و قلم میں اس طرف واضح اشارے کئے ہیں کہ انسان روشنی سے بنا ہوا ہے اس کے سارے محسوسات الیکٹران کے اوپر قائم ہیں۔ اگر انسان اپنے اندر دور کرنے والی الیکٹرک سٹی سے واقفیت حاصل کر لے تو وہ مادی وسائل کے بغیر کسی بھی مادی شئے کو جہاں چاہے منتقل کر سکتا ہے۔

قلندر بابا اولیاءؒ نے انسانی شعور کو روحانی سائنس کی بنیاد پر چار شعوروں میں تقسیم کیا ہے اور ان چاروں شعوروں کے اصطلاحی نام تجویز کر کے ان کی ایکویشن (Equation) بنائی ہے۔ اپنی کتاب لوح و قلم میں حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے نوع انسانی کو موجودہ بے سکون زندگی اور پر مصائب حالات سے آزاد ہونے کا نہایت مختصر مگر جامع حل بتایا ہے۔

"قیاس کا پیش کردہ کوئی نظریہ کسی دوسرے نظریہ کا چند قدم ساتھ ضرور دیتا ہے مگر پھر ناکام ہو جاتا ہے۔"

لوگوں نے بذات خود جتنے طریقے وضع کئے ہیں سب کے سب کسی نہ کسی مرحلہ میں غلط ثابت ہوئے ہیں۔ توحید کے علاوہ اب تک جتنے نظام ہائے حکمت بنائے گئے ہیں وہ تمام اپنے ماننے والوں کے ساتھ مٹ گئے یا آہستہ آہستہ مٹتے جا رہے ہیں۔

کتاب لوح و قلم میں تحریر ہے کہ آج کی نسلیں گذشتہ نسلوں سے زیادہ مایوس ہیں اور آئندہ نسلیں اور بھی زیادہ مایوس ہونگی۔ نتیجہ میں نوع انسانی کو کسی نہ کسی وقت نقطہ توحید کی طرف لوٹنا پڑے گا۔ موجودہ دور کے مفکر اور سائنٹسٹ کو چاہئے کہ وہ وحی کی طرز فکر کو سمجھے اور نوع انسانی کی غلط رہنمائی سے دست کش ہو جائے۔ ظاہر ہے کہ مختلف ممالک اور مختلف قوموں کے وظیفے جداگانہ ہیں اور یہ ممکن نہیں ہے کہ تمام نوع انسان کا جسمانی وظیفہ ایک ہو سکے اب صرف روحانی وظائف باقی رہتے ہیں جن کا مقصد صرف توحید اور صرف توحید ہے اگر دنیا کے مفکرین جدوجہد کر کے ان وظائف کی غلط تعبیروں کو درست کر سکیں تو وہ اقوام عالم کو وظیفہ روحانی کے تحت ایک ہی دائرہ میں اکٹھا کر سکے۔ سلسلہ عالیہ عظیمیہ کے امام قلندر بابا اولیاءؒ ایک ایسے عظیم روحانی سائنس دان ہیں جن کے پیش نظر نوع انسانی کو بحیثیت مخلوق کے توحید کے پلیٹ فارم پر جمع کرنا ہے۔

قلندر بابا اولیا کی تعلیمات اور ارشادات کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ نوع انسانی کو پر سکون دیکھنا چاہتے ہیں خوف و غم کی زندگی سے انہیں نجات دلانا چاہتے ہیں۔

www.ksars.org

آدم وحوا

آدمی چل رہا ہے۔ زمین، چاند، سورج، ستارے اور کہکشاں بھی حرکت میں ہیں۔ غرض یہ کہ کائنات کا ذرہ ذرہ متحرک ہے زمین کے اوپر پانی نشیب میں بہہ رہا ہے پانی جس کی فطرت نشیب میں بہنا ہے، درختوں میں ایک خاص پروسیس سے بظاہر اپنی فطرت تبدیل کر کے اوپر جارہا ہے نہ صرف اوپر جارہا ہے بلکہ نئے نئے روپ میں جلوہ گر ہورہا ہے۔ پانی جس کو آسمانی کتابوں نے ''ماء'' کہا ہے۔ ہر ڈائی میں خدوخال کے ساتھ مظاہرہ کرتا رہتا ہے۔

پانی رب ذوالجلال کا عطیہ ہے۔ سمندر کا پانی کڑوا ہے تو کنویں کا پانی میٹھا ہے، دریا کا پانی مٹیالا ہے تو چشموں کا پانی موتی کی طرح شفاف اور چمکدار ہے۔ پانی کائنات کے ہر یونٹ کے لئے حیات ہے۔ شریانوں، وریدوں میں خون بن کر دوڑ رہا ہے۔ آدمی جو تناول کرتا ہے، شیر جو کھاتا ہے، چوپائے جو چرتے ہیں، چڑیا جو چگتی ہے، مچھلی جو پیتی ہے سب میں تین حصے پانی ہے۔ پانی نطفہ ہے۔ پانی علق ہے۔ پانی مضغہ ہے۔ پانی لوتھڑا ہے۔ پانی عضو کی تشکیل ہے اور پانی جسم ہے۔ پانی زندگی ہے اور پانی سے قطع تعلق موت ہے۔

دستر خوان پر ایک باپ، تین بیٹے، ایک بیٹی کھانا کھا رہے تھے۔ انواع واقسام کے کھانے دستر خوان پر چنے ہوئے تھے۔ کھانا کھاتے کھاتے باپ کو اُچھو لگا۔ روٹی کا ٹکڑا حلق میں پھنس گیا۔ آنکھیں ابل پڑیں۔ چہرہ لال ہو گیا۔ بیٹی دوڑی اور گلاس بھر لائی۔ پانی حلق میں انڈیلا۔ جان میں جان آئی۔ کھانے کی طرف سے ذہن ہٹ کر روٹی کے ٹکڑے میں اٹک گیا۔ ایک وقت تھا جب آدم نہیں تھا۔ لیکن گندم تھی۔

آدم وحوا برسوں کی مفارقت کے بعد ملے تو ایک سے دو ہوئے اور دو، دو میں جمع ہوئے تو ضرب کا فارمولا وجود میں آیا۔ ضرب در ضرب، حاصل ضرب سے آبادی میں اضافہ ہوا نوع انسانی ارتقائی مراحل طے کرتا رہا۔ آدم وحوا کے جھونپڑے کم ہو گئے تو تعمیرات کا سلسلہ شروع ہوا۔ تعمیرات سے ارتقائی مراحل سامنے آیا۔ حیوانات وآدم زاد میں فرق وضع ہونے لگا۔ آدم کے بچوں نے گھاس پھونس چھوڑ دیا اور جڑیں کھانے سے انکار کر دیا۔ صورت خراب سے خراب تر ہوتی چلی گئی۔ ابا آدم اور اماں حوا سر جوڑ کر بیٹھے۔ طے پایا کہ گندم کاشت کی جائے۔ زمین کے چھوٹے چھوٹے حصے کر کے کھیت بنائے۔ زمین کرید کر آسمان سے اترا ہوا دانہ گندم زمین میں ڈال دیا گیا۔ گندم کی بالیں بھر گئیں گندم کو پیسنے کے لئے پتھروں کی چکی ایجاد ہوئی آٹا پس گیا روٹی پک کر تیار ہو گئی۔

گندم کے دانے نے کہانی سنائی۔

دنیا کا جب ظہور ہوا، جب گندم کو زمین پر پھینک دیا گیا۔ وہ تنہا تھا کوئی ہم نشین وغم گسار نہیں تھا۔ زمین جو سب کی ماں ہے اس نے اپنے ایک لخت جگر کی آہ وزاری سنی تو مما کے جوش سے باوا گندم کے لئے اپنی آغوش وا کر دی۔ ماں کی گود کے لمس سے باوا گندم کو قرار آیا۔ سکون ملا۔ راحت سے آشنا ہوئے سکون کی لہروں میں جب زمین کے اندر دوڑنے والی رنگ رنگ لہریں ملیں اور ایک دوسرے میں پیوست ہوئیں تو باوا گندم کی نسل چل پڑی۔ ادھر گندم کی نسل پروان چڑھی ادھر باوا آدم کی اولاد دنیا میں پھیلتی چلی گئی۔ آدم کی نسل نے اپنی خوراک کے لئے گندم کا انتخاب کر کے دراصل گندم کی خدمات کا اعتراف کیا، گندم کی حفاظت کی ہے۔ ہماری نسل نے بھی اپنے محسن آدم کی خدمت گزاری میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ آدم کی طرح میرے آباؤاجداد گندم کا بھی خاندان ہے۔ اس خاندان میں بھی پستہ قد اور دراز قد ہوتے ہیں۔ میرے خاندان کا وصف یہ ہے کہ ہم سب گندم خاندان کے افراد آدم کی بہتر سے بہتر خدمت

www.ksars.org

کے لئے اپنی صلاحیتوں کا بر ملا اظہار کرتے رہتے ہیں۔ ہماری ایک صلاحیت یہ بھی ہے کہ ہمارے اندر خود سپردگی کا عنصر موجود ہے۔ روٹی کو آپ قورمے سے کھائیں چٹنی سے کھائیں شب دیگ سے کھائیں پیاز سے کھائیں یا پانی سے کھائیں، روٹی کبھی آپ کا ہاتھ نہیں روکے گی۔

روٹی ہی فساد کی جڑ ہے۔ جتنا فساد روٹی خور آدم کرتا ہے، گوشت خور شیر بھی نہیں کرتا ہے یہ روٹی بھی عجیب شئے ہے ارتقاء کے ساتھ ساتھ ہر چیز تبدیل ہو گئی مگر روٹی روٹی ہی رہی۔ روٹی خور آدمی ترقی کے مراحل طے کرتا رہا لیکن روٹی ہر مرحلہ پر اس کی لازمی ضرورت رہی اور رہے گی۔

پتھروں کی چکی ایجاد ہوئی آٹا پس گیا آٹے میں پانی ڈال کر اسے گوندھا گیا آگ روشن ہوئی لوہا دریافت ہوا تو بنا آگ جلا کر توے پر آٹا ڈالا گیا تو روٹی پک کر تیار ہو گئی۔

ایک فقیر ایک قاضی دونوں آپس میں گہرے دوست تھے۔ قاضی کہتے تھے اسلام میں پانچ رکن ہیں اور فقیر کا خیال تھا کہ ایک چھٹا رکن بھی ہے جسے روٹی کہتے ہیں۔

قاضی صاحب حج کو گئے۔ اس زمانے میں ہوائی جہاز تو ہوتے نہیں تھے۔ پانی کا جہاز طغیانی میں آ گیا۔ سمندر کی لہروں نے تین منزلہ جہاز کو آسمان کی طرف اچھال دیا۔ دوسرے مسافروں کا کیا بنا یہ تو نہیں پتہ مگر قاضی صاحب ڈوبتے ابھرتے ساحل پر جا گرے۔ ہوش و حواس درست ہوئے تو بھوک پیاس لگی۔ سخت بے چینی اور اضطراب میں تھے کہ دور سے آتا ہوا ایک سایہ نظر آیا۔ قاضی صاحب اپنی ہمت کر کے اس سایہ کی طرف بڑھے۔ سایہ ان کے قریب آ گیا۔ بے گوشت پوست آدمی نے قاضی صاحب سے پوچھا کیا بات ہے۔ کیا پریشانی ہے، کیوں پریشان و بے قرار ہو؟ قاضی صاحب بولے، پیاس لگی ہے۔ بھوکا ہوں۔ ماورائی وجود نے کہا۔ ساری عمر کی کمائی ہوئی اس پرچے پر میرے نام لکھ دو۔ قاضی نے آدھی نیکیاں لکھ دیں اور پانی پی لیا۔ بھوک بڑھی تو روٹی مانگی، ماورائی شخص نے کہا۔ روٹی کھانی ہے تو باقی آدھی نیکیاں بھی لکھ دو۔ روٹی کے لئے مغطرب قاجی نے آدھی عمر کی نیکیاں بھی ماورائی شخص کے نام کر دیں اور روٹی کھالی۔ قاضی صاحب جب گھر لوٹے تو اپنے دوست فقیر کے پاس گئے، فقیر نے پوچھا۔ اے قاضی اسلام میں پانچ رکن ہیں یا چھ؟

قاضی بولا! اسلام کے رکن پانچ ہیں۔

فقیر نے اپنی گدڑی ٹٹولی اور قاضی کے لکھے ہوئے دونوں پرچے سامنے رکھ دیئے۔

روٹی کیا ہے؟ روٹی بھوک کا تمثل ہے اطلاع کی عکاسی ہے اور بھوک کی کیفیت کا مظہر ہے۔ ایسا مظہر جس کے اوپر تمام اخلاقیات کی بنیاد قائم ہے۔ اس کی وجہ سے حسیات زندہ یا مردہ ہیں۔

جو لوگ اس بات کو سمجھتے ہیں انہوں نے چالاکی سے ایک جال بن لیا ہے۔ خدا دشمنی کا جال، جب وہ یہ جال کسی قوم پر پھینکتے ہیں اور قوم ان کے پھینکے ہوئے جال میں پھنس کر اسے اپنے لئے وسیلہ ترقی سمجھ لیتی ہے تو ایک روٹی کے لئے ان کی محتاج بن جاتی ہے اور پھر روٹی کے لئے محتاج قوم ان کی غلام بن جاتی ہے۔ ایسا ہو جانے سے قوم کا تشخص برباد، کردار اور اپنی شناخت ختم ہو جاتی ہے۔ ذہن ماؤف ہو جاتا ہے دل مردہ ہو جاتے ہیں اور پوری قوم پر بے حسی طاری ہو جاتی ہے۔ ایسی قوموں پر ان کی اپنی زمین تنگ ہو جاتی ہے اور وسائل پر دوسری قومیں قابض ہو جاتی ہیں۔ زمین اپنے محور پر گھومتی رہتی ہے اور زمین پر رہنے والے اپنی بے حسی کی وجہ سے غلام بنتے رہتے ہیں۔

www.ksars.org

اللہ کی محبت سے دور وہ نامراد قوم ہے جس کے لئے ارشادِ الٰہی ہے۔

’’مہر لگادی ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر، ان کے کانوں پر اور دبیز پردے ڈال دیئے ہیں ان کی آنکھوں پر۔‘‘

کیوں؟

اس لئے کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی مملکت میں رہتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے باغی ہیں۔

"وہ لوگ جو سود لیتے ہیں، سودی معیشت میں زندگی گزارتے ہیں بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے دشمن ہیں۔"

www.ksars.org

میرے من نے مجھے بتایا

صبح کے ۶ بجے ہیں لیکن دھوپ کی تمازت سے لگتا ہے کہ سورج نصف النہار پر ہے جسم عرق آلود ہے ماتھا قطروں سے اس قدر بھیگا ہوا ہے جیسے کھولتے پانی میں سے بھاپ کے قطرے بڑے پتیلے کے ڈھکن پر جمع ہو جاتے ہیں۔

بدن میں خلاء ہے یا نہیں لیکن شاید گرمی سے جسم پکتے پانی یا کھولتے خون کی دیگ بنا ہوا ہے لگتا ہے کہ جسم اسفنج ہے خیالات کی گرم لو سے جسم ایسا بن گیا ہے کہ جیسے اسفنج کو پانی میں دھو کر نچوڑ دیا جائے۔۔۔

انسان جو جنم دن سے ہی ناشکرا ہے گرمی کو برا کہتا ہے ناشکرا اس لئے کہ جب سردی ہوتی ہے تو سردی کی شکایت کرتا ہے بے صبری کا مظاہرہ کرتا ہے یہ جانتے ہوئے بھی کہ خالق بے صبر لوگوں کو پسند نہیں کرتا۔۔۔

پرندے ہرے بھرے درخت کی شاخ کے گہرے سبز پتوں کے سائے میں آنکھیں موندھے' صابر و شاکر بیٹھے ہیں وہ کوئی شکوہ شکایت نہیں کرتے گرمی ہو' سردی ہو یا کوئی اور موسم ہو اس کا تعلق انسان کی ذاتی کیفیت سے ہے اور انسان کی ذاتی کیفیات کا دارومدار خیالات پر ہے خیال نہ ہو تو یہ ساری دنیا اور دنیا کی تمام دلچسپیاں ختم ہو جائیں گی۔

میں ایک بندہ بشر ہوں' آنکھوں میں خوشی ہے مگر جوانی کی چمک معدوم ہے بھنویں سفید ہیں کمر ابھی جھکی تو نہیں ہے لیکن دونوں ہاتھ بنیادی دوستونوں کے اوپر رکھ کر اٹھنا پڑتا ہے' چال ٹھیک ہے لیکن مستانہ وار شان نہیں رہی، زمین پر اکڑ کر چلنے کا دور اب ختم ہو گیا ہے' بچپن جوانی میں اور جوانی بڑھاپے میں دفن ہو گئی ہے۔۔۔

میں چاہوں۔۔۔ تو بھی ماضی کے قبرستان سے اسے باہر نہیں نکال سکتا عجیب بات یہ نظر آتی ہے کہ تقاضے سب وہی ہیں جو بچپن اور جوانی میں ہوتے ہیں۔۔۔ پانی پیتا ہوں تو سیرابی آجاتی ہے روٹی چاول کھاتا ہوں توانرجی ملتی ہے میں خود کو اتنا بڈھا نہیں سمجھتا لوگ بڑے بڑے القاب سے نواز کر مجھے بوڑھا ہونے کا احساس دلاتے ہیں بس میں سوار ہوتا ہوں حالانکہ میں تھکا نہیں ہوتا کھڑے ہو کر سفر کر سکتا ہوں لیکن بس میں بیٹھے ہوئے مسافر کہتے ہیں باباجی یہاں بیٹھ جایئے میرے انکار کے باوجود ہاتھ پکڑ کر مجھے سیٹ پر بٹھا دیتے ہیں ان کے پُرادب رویئے سے مجھے یقین ہو جاتا ہے کہ میں بڈھا ہو گیا ہوں۔۔۔

یہ صورتحال اس وقت شروع ہوتی ہے جب کالے بال چٹے ہونا شروع ہوتے ہیں۔۔۔

ہم تین دوست ایک جگہ بیٹھے تو ایک دوست نے کہا میں ساٹھ سال کا ہوں دوسرا بولا میں اٹھاون سال گزار چکا ہوں میں نے خوش ہو کر کہا میری عمر ایک کم ستر سال ہے پہلے دوست نے منطقی انداز میں کہا۔۔۔ یارو۔۔۔ آؤ۔۔۔ غور کریں کہ ہم نے کیا کھویا۔۔۔ اور کیا پایا۔

پہلا بولا۔۔۔ میں نے اس دنیا میں سب کچھ پالیا' جوان ہوا' منہ زور جوانی کے بھرپور جذبات سے خوب خوب لطف اندوز ہوا گھر بنایا' شادی کی' بچے ہوئے بچوں کے بچے گود میں کھلائے دوسرا آدمی گویا ہوا یہ سب تو چرند، پرند، حشرات الارض بھی کرتے ہیں اس کا مطلب یہ نکلا کہ تجھ میں اور حیوانات میں کوئی فرق نہیں ہے۔۔۔ چوپائے بھی یہی سب کرتے ہیں جس پر تو فخر کر رہا ہے۔

میری باری آئی تو مجھے کچھ سجھائی نہیں دیا اس لئے کہ مجھے برا لگا کہ میرا شمار چوپائیوں میں ہو میں اپنے اندر گم ہو گیا ایک دنیا نظر آئی جو ایک آنکھ سے حسین نظر آتی ہے اور دوسری آنکھ سے نہایت بدصورت اور ڈراؤنی میں نے جلدی سے حسین دنیا کی طرف قدم

www.ksars.org

بڑھایااور بدصورت دنیامیرے راستے میں مزاحم ہوگئی بدصورت دنیانے نحوست آثار چہرے پر بکھری زلفوں کواٹھایا'غیض وغضب اور سرخ رنگ آنکھوں سے مجھے اس طرح دیکھا کہ میرے اوپر دہشت طاری ہوگئی میں سارے کاسارا جل گیا۔۔۔میری خوبصورت کھال جومیرے وجودپر مونڈھی ہوئی ہے سیاہ ہوکر سکڑگئی اب میں نے خودکوبدصورت اور کریہہ شکل دیکھااور خودسے خوف کھاکر لرزنے لگالطیف احساسات پر کثافت کی دھند چھاگئی وجودکاہر خلیہ پتھر کی طرح بھاری ہوگیادوسراقدم اٹھایاتوایک پیر من بھر کالگا۔

۔۔۔میں نے اپنے من کوآوازدی اوراس سے مددچاہی۔۔۔؟

میرے من'میرے ضمیر نے راہنمائی کی اور مجھے بتایاکہ بدصورت اورڈراؤنی دنیاسے تیرے نفس کووہ کھوٹ ہے جوتوعمر بھر جمع کرتارہامیں نے دہائی دی اس کھوٹ میں مجھے ملوث نہ کیاجائے۔

من نے کہا!

یہاں کسی کوکھوٹ میں ملوث نہیں کیاجاتاآدمی جب زمین پر پہلاقدم رکھتاہے تووہ پھول کی طرح خوبصورت اور کلیوں کی طرح معصوم ہوتاہے۔پھول میں خوشبواس لئے ہوتی ہے کہ پھول لطیف خیالات کوکثیف معنی نہیں پہناتا۔۔۔

آدمی اس لئے بدصورت ہوجاتاہے کہ لطیف اورپاکیزہ خیالات پر تہہ درتہہ کثافت کے ڈھیر جمع کردیتاہے۔۔۔

میرے من نے مجھے بتایا۔۔کہ۔۔۔بھولے بادشاہ آدمی!۔۔۔توخودکوانسان کہتاہے جبکہ تویہ بھی نہیں جانتاکہ زندگی کا ایک عمل بھی خیال کے حلقہ سے باہر نہیں ہے تیری عمرایک کم ستر سال ہے ایک کم ستر سال کی عمر میں انسانی ہونے کادعویٰ کرنے والے آدمی تونے چودہ کروڑپچاس لاکھ پینسٹھ ہزار چھ سوخیالات قبول کئے اوریہی تیری زندگی ہے اے نادان بشر!کیاتوبتاسکتاہے کہ 145,056,600اعمال میں کوئی ایک عمل تونے خیال آئے بغیر کیاہے؟

ہر گزنہیں۔۔۔بلاشبہ ہر گزنہیں۔۔۔۔خیال کے علاوہ نہ توپانی پی سکتاہے۔۔۔نہ توروٹی چاول کھاسکتاہے تجھے تویہ بھی نہیں پتہ کہ خیال کیاہےاورکہاں سے آتاہے۔۔۔

اے محدودشعور میں بندآدمی۔۔۔۔دنیانہ خوبصورت ہےاورنہ بدصورت ہے تونے خیال میں جیسے معانی پہنادیئےوہی تیر ی دنیاہے تیرے اندرہی سب کچھ ہے جب تیرے اندرکاانسان تجھ سے روٹھ جاتاہے توخودتوبدصورت اورگندگی کاڈھیر بن جاتاہے میں نے ڈرتے ہوئے لرزتے ہوئے نحیف ونزارمردہ آوازمیں اپنے دوستوں کوبتایا۔۔۔

میرے عزیزدوستو!

سنوجوآدمی اس دنیامیں آتاہے نہ کچھ ساتھ لاتاہےاورنہ کچھ ساتھ لے جاتاہے دراصل انسانی زندگی خیالات میں خوبصورت یابدصورت معانی کاریکارڈہے۔

"جوشخص دنیامیں ذرہ برابرنیکی کرے گاوہ اس کودیکھ لے گااورجوشخص ذرہ برابربدی کرے گاوہ اس کودیکھ لے گا۔"(سورۃ الزلزال)

www.ksars.org

12کروڑ61لاکھ44ہزار

اللہ کے کرم سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رحمت اور قلندر باباولیاء کی نسبت سے اب روحانی ڈائجسٹ کی عمر ایک ہزار چھ سو تین ہفتے یعنی گیارہ ہزار دو اکسٹھ دن ہو گئی ہے ان ماہ و سال میں گھنٹیوں کی آواز کو متوازن اور برقرار رکھنا انسانی جبلت کے تحت سب سے زیادہ کٹھن کام ہے۔

تین سو ستر مہینوں میں تقریباً اتنے ہی موضوعات نوک قلم پر آئے حروف نے الفاظ کا الفاظ نے جملوں کا جملوں نے تحریر کا لباس زیب قرطاس کیا۔

جو بندہ 370 موضوعات پر طبع آزمائی کر چکا ہو اس کے لئے یہ خاصا مشکل ہے کہ وہ مزید کسی موضوع پر قلم اٹھائے ایک قاری جس مضمون کو پندرہ منٹ میں پڑھ لیتا ہے اس کی تیاری میں کئی گھنٹے لگ جاتے ہیں پہلے حافظے کا بند دروازہ کھلتا ہے پھر انسپائریشن کی لہریں دماغ کے مخصوص خانے میں وصول ہوتی ہیں اور اس انسپائریشن کو کاغذ پر منتقل کرنے کے لئے الفاظ کا انتخاب عمل میں آتا ہے۔

انسانی دماغ میں حواس خمسہ (پانچ حواس) کی اطلاعات موجود رہتی ہیں یا اطلاعات حواس خمسہ بنتی ہیں، حواس خمسہ اعصاب کے ذریعے دماغ میں پہنچ کر نقش ہو جاتے ہیں یہی وہ یاداشتیں ہیں جنہیں حافظہ کہا جاتا ہے، دماغ کے یہ دو حصے جو دائیں طرف اور بائیں طرف واقع ہیں۔انسانی زندگی کے تمام احساسات کو جو پیدائش سے لیکر موت تک کے حالات پر مشتمل ہیں یاد رکھتے ہیں۔

مضمون نگار جب کوئی مضمون لکھتا ہے یا کوئی شاعر جب شعر کہتا ہے تو دماغ کے پچھلے حصے میں جہاں گردن کے اوپر سر میں ابھار ہوتا ہے، تحریکات ہوتی ہیں اور یہ تحریکات لہروں کی شکل میں وارد ہوتی ہیں، انسان جب کوئی کام کرتا ہے، کچھ سوچتا ہے، کوئی حرکت کرتا ہے تو دراصل ریڑھ کی ہڈی میں موٹا تار (حرام مغز) کرنٹ کی گزرگاہ بن جاتا ہے اور اس ہی عمل سے حرکت اس کا مظاہرہ ہے۔انسانی زندگی کا کوئی عمل، کوئی فعل، کوئی حرکت اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک حرام مغز میں کرنٹ کا صحیح بہاؤ نہ ہو۔یہ کرنٹ نظام کائنات میں جاری وساری لہریں ہیں۔

آواز کیا ہے؟

آواز تو لہروں کے علاوہ کچھ نہیں ہے اور یہ ساری کائنات آواز کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔

میں جب صدائے جرس لکھنے بیٹھتا ہوں تو میری ساری توجہ اس آواز کی طرف ہوتی ہے جو آواز لہروں میں منتقل ہو کر انفارمیشن بنتی ہے، انفارمیشن اور اطلاع کے بغیر کائنات کے وجود کا تذکرہ ممکن نہیں ہے، انسان کی زندگی کا تجزیہ کیا جائے تو ہمیں انفارمیشن کے علاوہ زندگی میں کچھ بھی نہیں ملتا، ہمارا پیدا ہونا، جوان ہونا، بوڑھا ہونا، خورد ونوش کی ضرورت کو پورا کرنا، سونا، جاگنا، رزق تلاش کرنا، پڑھنا، لکھنا، عروج وزوال کی راہ کا متعین ہونا سب انفارمیشن پر قائم ہے۔اوسط عمر اگر ساٹھ سال ہو تو ایک آدمی بارہ کروڑ اکسٹھ لاکھ چوالیس ہزار سال معلومات میں زندگی گزارتا ہے یعنی اوسط عمر میں معلومات کا دورانیہ بارہ کروڑ اکسٹھ لاکھ چوالیس ہزار سال ہو تقریباً پونے تیرہ کروڑ اطلاعات پیدائش سے موت تک انسانی زندگی کا سرمایہ ہیں، چونکہ انسان زندہ رہنے کے قانون سے واقف نہیں ہے اس لئے ۹۵ فیصد اطلاعات یا ۹۵ فیصد زندگی ضائع ہو جاتی ہے، یہ اطلاعات قدرت کے بنائے ہوئے اصولوں کے مطابق قبول کی جائیں اور

www.ksars.org

ان پر عمل درآمد ہو جائے تو انسان اشرف المخلوقات ہے، اگر ایسا نہ ہو (جیسا کہ عام طور پر نہیں ہوتا) تو انسان اشرف المخلوات کے دائرہ میں داخل نہیں ہو سکتا۔

ادارتی صفحات پر قارئین، روحانی ڈائجسٹ میں تقریباً 370 موضوعات کا مطالعہ کر چکے ہیں ہر عنوان اس بات کی تشریح ہے کہ انسان اور حیوانات میں فرق یہ ہے کہ انسان اطلاعات (خیالات) اور مصدر اطلاعات کو وقوف حاصل کر سکتا ہے جب کہ حیوانات اس علم تک رسائی نہیں کر سکتے۔

پچھلے چند رسائل ہمارے سامنے ہیں۔۔ان میں سے چند موضوعات کی تلخیص پیش خدمت ہے۔

کوئی اطلاع یا کسی شئے کا علم ہمیں لازمانیت سے موصول ہوتا ہے یہ لازمانیت نئی نئی اطلاعات، زمانیت (وقت) کے اندر ارسال کرتی رہتی ہے، اگر ہم لازمانیت کو ایک نقطہ سے تشبیہ دیں تو یوں کہیں گے کہ اس نقطہ میں کائنات کا یکجائی پرو گرام نقش ہے، لہروں کے ذریعے اس نقطہ سے جب کائنات کا یکجائی پرو گرام نشر ہوتا ہے تو حافظہ سے ٹکرا کر بکھر تا ہے، بکھرنے ہی ہر لہر ایک مختلف شکل وصورت میں تصویری خدوخال اختیار کر لیتی ہے، لہروں کا حافظہ کی سطح پر آکر بکھرنا ہی وقت کو وجود میں لاتا ہے، چونکہ حافظہ جبلی طور پر (فطری طور پر نہیں) محدود ہے اس لئے تصویر کے مابین فاصلہ بن جاتا ہے اس فاصلہ کا دوسرا نام دوری کا احساس اور وقت کی طوالت ہے، اگر ہم اس نقطے کو تلاش کر لیں جہاں کائنات کا یکجائی پرو گرام نقش ہے تو فاصلہ کالعدم ہو جاتا ہے۔

ہزاروں سال کی تاریخ دراصل اس راز کی پردہ کشائی ہے کہ قومیں ترقی کے خوشنما دعوؤں میں اور نئی نئی ایجادات کے پردہ زنگاری میں خود کو تباہ وبرباد کرتی رہتی ہیں، ایک طرف قومیں زمین کو آتش فشاں بنا کر خود ایندھن بن جاتی ہیں اور دوسری طرف خالق ومالک ہستی اللہ تعالیٰ از سرنو زمین پر باغ کی آبیاری فرمادیتے ہیں، قوموں کے عروج وزوال کی تاریخ یہ ہے کہ جو قوم سب سے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ افراد کو موت کے منہ میں دھکیل دے وہ ترقی یافتہ ہے اور جب اس ترقی کا فسوں ٹوٹتا ہے تو زمین آتش فشاں کی طرح پھٹ پڑتی ہے اور چھ ارب کی آبادی سمٹ کر ایک ارب رہ جاتی ہے، پھر بچے کھچے خستہ حال اپاہج، معذور، ادھڑی ہوئی کھال اور زخموں سے نڈھال افراد زمین کی اجڑی ہوئی مانگ میں سندور بھرتے ہیں اور ایک وقت آتا ہے کہ زمین میں سے پیدا ہونے والے لوگ اس سندور کو اتار کر زمین کو دوبارہ اجاڑ دیتے ہیں۔

تجرباتی دنیا یہ ہے کہ انسان کہیں سے آتا ہے یعنی وہ پہلے سے کہیں پر موجود تھا جب وہاں کی موجودگی ختم ہوئی تو اس دنیا میں پیدا ہو گیا یعنی اس دنیا میں آنے سے پہلے اس پر موت وارد ہوئی، پھر پیدا ہوا اس دنیا سے جانے کے بعد دوسری دنیا میں پیدا ہوا اس کا منطقی استدلال یہ ہوا کہ اس دنیا میں آنے سے پہلے بھی ہم کہیں پیدا ہوئے تھے یعنی موت سے زندگی پیدا ہوئی اور زندگی سے موت پیدا ہوئی، اس کو اس طرح بھی کہا جاتا ہے کہ موت زندگی میں داخل ہوئی اور زندگی موت میں داخل ہو گئی، زندگی سے موت کا پیدا ہونا اور موت سے زندگی کا پیدا ہونا یا زندگی کا موت میں داخل ہو جانا اور موت کا زندگی میں داخل ہو جانے کا پروسیس یہ ظاہر کرتا ہے کہ کوئی ایسی ہستی ہے جو اس پراسیس کو قائم رکھے ہوئے ہے اور بغیر کسی تبدیلی اور تعطل کے جاری رکھے ہوئے ہے۔

جس قوم نے بھی ذاتی مفاد کے تحت گروہی تعصب کو ہوا دی ملت میں تفرقہ ڈالا اور اس تفرقے کی بنیاد پر خود کو جنتی اور دوسروں کو دوزخی قرار دیا وہ تباہ کر دی گئی۔اس کا نام صفحہ ہستی سے مٹ گیا اس کو ذلیل وخوار کر کے زمین پر دربدر کر دیا گیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

”جو قوم اپنی حالت میں بہتری پیدا نہیں کرتی اللہ تعالیٰ اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیتا ہے اور اس قوم کا شیرازہ بکھر جاتا ہے۔“

www.ksars.org

ایسی قوم دربدر کی ٹھوکریں کھا کر بالآخر اپنے انجام کو پہنچ جاتی ہے، جس نسل، جس ملک، جس قوم نے اللہ تعالیٰ کے قانون کو توڑا اور اجتماعی سوچ کو نظر انداز کر کے ریشم کے کیڑے کی طرح انفرادی سوچ کے غلاف میں بند ہو گئی، وہ ختم ہو گئی ہے، اپنے کوتاہ نظری کو، کوتاہ اندیشی سے حرف غلط کی طرح مٹ گئی، ایسی قوموں کی زندگی کا تار و پود بکھر جاتا ہے۔

کیا ایسا ہونا عقلی اعتبار سے صحیح نہیں ہے کہ مذہب کو سائنسی بنیادوں پر سمجھا جائے اور اللہ تعالیٰ کو کائنات کی حیات کے اندر تلاش کیا جائے، کیا رات دن کا اختلاف، کہکشانی نظام اور ان نظاموں میں مسلسل حرکت اس لئے قائم نہیں ہے کہ انسان ان کے اندر تفکر کرے۔

جو انسان پیدا ہوتا ہے اس کے ذہن میں یہ بات ضرور آتی ہے کہ میں پیدا ہونے سے پہلے کہاں تھا؟ کیوں پیدا ہوا؟ جس دنیا میں پیدا ہوا یہ سارا عالم خوشبو اور رنگ سے معمور عالم کی حیات عارضی اور فانی کیوں ہے؟ فانی حیات کے بعد اگر دوسری زندگی ہے تو وہ کہاں ہے؟ کیا وہ دنیا بھی اس دنیا کی طرح فنا ہونے والی ہے؟

لیکن جیسے جیسے آدم زاد زندگی کے شب و روز میں سانس لیتا ہے ایسے نظریات سے دوچار ہوتا ہے کہ بالآخر وہ ہارے ہوئے جواری کی طرح اصلیت اور ماہیت کے بارے میں کوئی رائے نہیں قائم کر سکتا چونکہ وہ نہیں سمجھتا کہ دنیا میں پھیلی ہوئی لاکھوں چیزوں کا آپس میں کیا تعلق ہے۔ یہ سب اپنے اپنے محور پر ایک توازن کے ساتھ کیوں حیات و ممات کے دوش پر سفر کر رہی ہیں، ان کی ماہیت میں کیوں تبدیلی واقع نہیں ہوتی، اس وقت آدم زاد ایسے لوگوں کی طرف دیکھتا ہے جنھوں نے زندگی کے تجربات سے کوئی نتیجہ اخذ کر لیا ہے۔۔۔

ہر آدم زاد کے طرز عمل کی بنیاد یہ بنتی ہے کہ وہ ان سوالوں کا جواب چاہتا ہے۔

میں کون ہوں؟

میں کیا ہوں؟

عقل کیا ہے؟

شعور کیا ہے؟

عقل و شعور میں جو باتیں وجدان کی صورت میں نازل ہوتی ہیں ان کا میری ذات سے کیا رابطہ ہے؟

میں زندگی کے بارے میں جو فیصلہ کرنا چاہتا ہوں، ان فیصلوں کے نتائج میرے حق میں ہونگے یا مجھے نقصان پہنچائیں گے؟

مستقبل اگر ہے تو کیا میں اپنے مستقبل سے مطمئن ہو سکتا ہوں؟

میں جو کچھ کرتا ہوں اس کی بازپرس ہو گی؟ اگر بازپرس ہو گی تو کیا عمل میں تبدیلی ممکن ہے؟

راکٹوں، میزائلوں اور لانچرز کی تباہی اور بربادی کے آتشیں بوچھاڑ سے کسی نے اپنی شیر خوار بچی کو بچانا چاہا اور کوئی اپنی ضعیف اور بوڑھی ماں کا ہاتھ تھامے خالی ہاتھ محفوظ جگہ کی تلاش میں سرگرداں ہو گیا، خوبصورت طویل و عریض گھر ان گھروں میں آرائشی سامان اور قیمتی سامان ٹوٹ پھوٹ کر زمین پر اس طرح بکھر گیا جیسے کوئی بے وقعت چیز ہے، خلاء سائنس آتش فشاں کے دھوئیں سے اس طرح بکھر گیا کہ زمین سورج کی کرنوں سے محروم ہو گئی، دیکھنے والوں نے قیامت کا جو منظر دیکھا ان کے دل ڈوب ڈوب گئے اور آنکھوں میں خون آنسو بن گیا، دل کی دنیا زیر و زبر ہو گئی۔

www.ksars.org

نوع انسانی کے دانشوروں، عقلمندوں اور بذات خود ہیومن رائٹس کا پرچار کرنے والوں نے اپنی چودھراہٹ قائم کرنے کے لئے زمین پر آتش فشاں مادے کا ایسا پہاڑ کھڑا کر دیا جس کے سامنے زمین کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہ گئی، سائنسدانوں نے اپنی نوع کو برباد کرنے کے لئے ایسی ایسی اختراعات کیں کہ زمین کا کلیجہ چھلنی ہو گیا، نوع انسانی سے بزعم چند باشعور انسانوں نے خود کو برتر ثابت کرنے کے لئے نوع انسانی پر ایسا جال پھینک دیا جس کا ہر سورس ایک مہلک ہتھیار ہے، نوع انسانی کے ان دانشوروں نے جو بلاشبہ اللہ کے دوست نہیں ہیں، نت نئے مہلک ہتھیاروں کی ایجاد سے خود اپنی پیشانیوں کو داغ دار بنالیا ہے، ترقی یافتہ قوم کے باشعور افراد کا کہنا ہے کہ اس وقت دنیا میں چالیس ہزار ایٹم بم موجود ہیں، دیگر چھوٹے اور بڑے اسلحوں کا کوئی شمار نہیں۔ یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ لوگ ترقی کے نام پر زمین کو اجاڑ رہے ہیں۔

www.ksars.org

محاسبہ

اسلامی جمہوریہ پاکستان کا شہر راولپنڈی اور دارالخلافہ اسلام آباد کے ہنستے کھیلتے، جیتے جاگتے، رواں دواں زندگی میں متحرک مکینوں نے اتوار ۱۰ اپریل سن ۱۹۸۸ کا دن خوف اور دہشت، خاک وخون اور تباہی و بربادی کے آسمان کے نیچے گزارا۔ لوگوں پر ناگہانی آفت ٹوٹ پڑی۔ زمین لرز گئی، مکانوں کی چھتیں اُڑ گئیں۔ اور محفوظ دفتروں کی آہنی دیواروں میں دراڑیں پڑ گئیں۔ پُر رونق سڑکیں ویران اور بھرے بازاروں میں موت رقصاں نظر آئی، لمحے طویل ہوگئے اور مختصر وقت میں زندگی نے اللہ تعالیٰ کی مخلوق سے اپنا ناتہ توڑ لیا، ماؤں سے بچے بچھڑ گئے۔ اعضاء خس وخاشاک کی طرح اُڑے اور زمین پر بکھر گئے۔

راکٹوں، میزائلوں اور لانچرز کی تباہی اور بربادی کے آتشیں بوچھاڑ سے کسی نے اپنی شیر خوار بچی کو بچانا چاہا اور کوئی اپنی ضعیف اور بوڑھی ماں کا ہاتھ تھامے خالی ہاتھ محفوظ جگہ کی تلاش میں سرگرداں ہوگیا، خوبصورت طویل و عریض گھر ان گھروں میں آرائشی سامان اور قیمتی سامان ٹوٹ پھوٹ کر زمین پر اس طرح بکھر گیا جیسے کوئی بے وقعت چیز ہے، خلاء سائنس آتش فشاں کے دھوئیں سے اس طرح بکھر گیا کہ زمین سورج کی کرنوں سے محروم ہوگئی، دیکھنے والوں نے قیامت کا جو منظر دیکھا ان کے دل ڈوب ڈوب گئے اور آنکھوں میں خون آنسو بن گیا، دل کی دنیا زیروزبر ہوگئی۔

نوع انسانی کے دانشوروں، عقلمندوں اور بذات خود ہیومن رائٹس کا پرچار کرنے والوں نے اپنی چودھراہٹ قائم کرنے کے لئے زمین پر آتش فشاں مادے کا ایسا پہاڑ کھڑا کر دیا جس کے سامنے زمین کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہ گئی، سائنسدانوں نے اپنی نوع کو برباد کرنے کے لئے ایسی ایسی اختراعات کیں کہ زمین کا کلیجہ چھلنی ہوگیا، نوع انسانی سے بزعم چند باشعور انسانوں نے خود کو برتر ثابت کرنے کے لئے نوع انسانی پر ایسا جال پھینک دیا جس کا ہر سورس ایک مہلک ہتھیار ہے، نوع انسانی کے ان دانشوروں نے جو بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے دوست نہیں ہیں، نت نئے مہلک ہتھیاروں کی ایجاد سے خود اپنی پیشانیوں کو داغ دار بنالیا ہے، ترقی یافتہ قوم کے باشعور افراد کا کہنا ہے کہ اس وقت دنیا میں چالیس ہزار ایٹم بم موجود ہیں، دیگر چھوٹے اور بڑے اسلحوں کا کوئی شمار و قطار نہیں۔۔۔

یہ کہنا بے جانہ ہوگا کہ لوگ ترقی کے نام پر زمین کو اجاڑ رہے ہیں۔

www.ksars.org

طرز فکر

سوال: فیض سے کیا مراد ہے، مرشد جب اپنے مرید کو فیض منتقل کرتا ہے تو وہ کیا چیز منتقل کرتا ہے تو وہ کیا چیز منتقل کرتا ہے۔ کیا اس کا تعلق ماورائی لہروں سے ہے۔ ماورائی لہریں اگر منتقل ہوتی ہیں تو مرید کے اوپر کس قسم کے تاثرات قائم ہوتے ہیں؟

جواب: دوسرے علوم کی طرح روحانیت بھی ایک علم ہے۔ کوئی بھی استاد اپنے شاگرد کو علم منتقل کرتا ہے۔ جس طرح دنیاوی علوم کا استاد کسی کو اپنا علم منتقل کرتا ہے اسی طرح روحانی استاد روحانیت منتقل کر دیتا ہے۔

فرق صرف اتنا ہے کہ دنیاوی علوم میں استاد کی جو طرز فکر ہے اس سے آدمی کافی حد تک متاثر ہوتا ہے اپنے استاد کی جو طرز فکر ہے اس کو قبول کر کے اس کے مطابق چلتا ہے لیکن جب روحانی استاد یا روحانی شاگرد کا تذکرہ آتا ہے اور کوئی روحانی استاد روحانیت منتقل کرتا ہے تو توحانی شاگرد کو اس استاد کی طرز فکر منتقل ہو جاتی ہے مثلاً ایک روحانی آدمی کے لئے ضروری ہے کہ اس کا توکل اللہ تعالیٰ کے اوپر ہو اس کے اندر استغناء ہو، جب اچھے حالات ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے اور جب وہ خراب حالات سے گزرتا ہے تو اللہ تعالیٰ سے رجوع کرتا ہے، اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتا ہے، استغفار کرتا ہے اور یہ بھی سوچتا ہے اب تو پریشانی لاحق ہے۔ کہ اب جو پریشانی لاحق ہے اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہتری ہے لیکن ہم کمزور ہیں، ضعیف ہیں، ان پریشانیوں کو برداشت نہیں کر سکتے اس لئے اے باری تعالیٰ آپ ہمیں معاف کر دیں، ہمارے لئے اچھا راستہ کھول دیں۔

مقصد یہ ہے کہ روحانیت ایک طرز فکر ہے اور روحانی علوم کا تعلق طرز فکر سے ہے اور وہ طرز فکر یہ ہے کہ روحانی آدمی کا ذہن ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہتا ہے۔ تمام پیغمبروں کی تعلیمات پر اگر غور کیا جائے اور الہامی کتابوں کا خلاصہ بیان کیا جائے تو ایک ہی حقیقت سامنے آئے گی کہ بندہ کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک رشتہ ہے۔ جب بندہ اور اللہ تعالیٰ کا رشتہ استوار ہو جاتا ہے تو بندہ اپنے ہر عمل کو اللہ تعالیٰ کی طرف موڑ دیتا ہے۔ مثلاً اگر وہ کھانا کھاتا ہے تو کھانا کھانے کے بعد اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو وسائل مہیا کیے، پہلے اچھا کھانا کھایا پھر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اچھا ہاضمہ دیا، یہ نہیں ہوا کہ میں کھانا کھا کر قے کر دوں، کھانا کھا کر اسہال ہو جائیں۔ مطلب یہ کہ میں نے کھایا وہ پیٹ میں رہا اور ہضم ہوا اور اس کا خون بنا، خون سے انرجی بن کر جسم میں دوڑ رہی ہے۔

مسلسل غور و فکر، صبر و شکر کے اعمال سے یہ جان لیتا ہے کہ زندگی میں بندہ کا اپنا ذاتی عمل دخل کچھ نہیں ہے۔ ایک آدمی کھانا کھاتا ہے اگر اندر کی مشینری بند ہو جائے اگر آنتیں چلنا بند ہو جائیں تو کھانا ہضم نہیں ہو گا۔ بندہ کی یہ طرز فکر بن جاتی ہے کہ انسان در و بست اللہ کے تابع ہے اور جو بھی کچھ ہو رہا ہے وہ اللہ کر رہا ہے اور جو بھی کچھ اس کو مل رہا ہے وہ اللہ کی طرف سے مل رہا ہے۔

"اور جن کا ایمان پختہ ہے وہ کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے جو کچھ بھی ہے سب ہمارے رب کی طرف سے ہے۔ (آیت 7 سورۃ آل عمران)

اللہ اگر بارش نہ برسائیں زمین نہ بنائیں اللہ تعالیٰ دھوپ نہ نکالیں اللہ تعالیٰ چاند نہ نکالیں اللہ تعالیٰ زمین میں پانی نہ پیدا کریں تو زمین میں کوئی چیز اگ ہی نہیں سکتی۔ آپ زمین نہیں بنا سکتے۔ آپ پانی نہیں بنا سکتے۔ آپ بیج نہیں بنا سکتے۔ اگر گیہوں کا بیج زمین سے ناپید ہو جائے تو بتائیں کون سی ایسی سائنس ہے جو بیج بنا دے گی۔ آپ جو چیز بھی استعمال کرتے ہیں وہ بہر حال قدرت کی پیدا کردہ ہو گی۔ ہم زمین کی پیداوار بڑھانے کے لئے کھاد استعمال کرتے ہیں اگر قدرت زمین میں وہ چیزیں پیدا نہ کرے جن سے کھاد بنتی ہے تو کھاد

www.ksars.org

کیسے بنے گی آپ اپنی مرضی سے پیدا بھی نہیں ہو سکتے۔ اگر اللہ تعالیٰ نہ چاہے کون آدمی پیدا ہو سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ پیدائشی پاگل پیدا کر دے کون سا ایسا علاج ہے جو پاگل پن کو صحیح کر دے۔ پاگل پن کا کوئی علاج ہی نہیں ہے۔ نئی نئی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں مثلاً کینسر کا ابھی تک علاج ہی دریافت نہیں ہوا ہے۔ بڑے بڑے سائنٹسٹ کہتے ہیں ہم چاند پر چلے گئے ہیں، خلاء میں چہل قدمی کر آئے ہیں۔ وہ بڑے سائنٹسٹ سارے مر گئے وہ سائنسی ایجادات سے موت کے ہاتھ میں کیوں پنجہ نہ ڈال سکے؟ موت کو کیوں نہیں روک سکے۔

جب ہم غور کرتے ہیں اپنی زندگی پر زمین کی زندگی پر آئندہ مستقبل کے اوپر ماضی کے اور اس کے سوا ہمیں کچھ نظر نہیں آتا کہ جو کچھ ہو رہا ہے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہو رہا ہے اور اللہ کر رہا ہے مثلاً جب بچہ پیدا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ ماں باپ کے دل میں محبت ڈال دیتا ہے۔ اگر ماں کے دل میں اللہ تعالیٰ محبت نہ ڈالے تو بچہ کی پرورش ہی نہیں ہو سکتی۔

ماں چاہے بلی ہو، بکری ہو، بھینس ہو انسان کی ماں ہو، جب بچہ پیدا ہوتا ہے اس کی پرورش کے لئے، اس کی نشوونما کیلئے اللہ تعالیٰ ماں باپ کے دل میں محبت ڈال دیتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ ماں باپ کے دل سے محبت نکال لے تو کوئی بچہ پرورش نہیں پا سکتا۔ پیدائش سے پہلے اللہ تعالیٰ ماں کے سینہ کو دودھ سے بھر دیتا ہے اس میں ماں کون سا کردار ادا کرتی ہے دودھ بنانے میں۔ آپ جتنا بھی گہرائی میں تفکر کریں تو آپ کو ایک ہی بات نظر آئے گی کہ انسان کچھ نہیں کر رہا ہے سب کچھ اللہ تعالیٰ کر رہا ہے۔ یہ انسان کی نادانی ہے کہ انسان سمجھ رہا ہے کہ سب کچھ میں کر رہا ہوں، اچھا سب کچھ آپ کر رہے ہیں تو کاروبار میں نقصان کیوں ہوتا ہے، آپ بیمار کیوں ہوتے ہیں۔

حضرت علیؓ سے کسی نے پوچھا۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کو کیسے پہچانا،

حضرت علیؓ نے فرمایا کہ ارادوں کی ناکامی سے جو میں نہیں چاہتا وہ ہوتا ہے اور جو میں چاہتا ہوں وہ نہیں ہوتا۔

www.ksars.org

رمضان المبارک

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس زمین پر اپنی محدود سی زندگانی میں ہمیں ایک مرتبہ پھر اللہ تعالیٰ کی رحمتوں 'نعمتوں ' مغفرتوں سے بھرپور ماہ رمضان کے روز وشب نصیب ہورہے ہیں رمضان کے روزے امتِ مسلمہ پر فرض ہیں رمضان میں وہ مبارک ساعتیں بھی شامل ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب 'نوع انسانی کے تاقیامت ہدایت ورہنمائی کی جامع ترین الہامی دستاویز، قرآن کا نزول شروع ہوا ان مبارک ساعتوں والی شب کا نام لیلۃ القدر ہے یہ وہ عظیم المرتبت ہے جسے ہزار مہینوں سے افضل قرار دیا گیا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ترجمہ 'اے ایمان والو تم پر روزے فرض کئے گئے جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تم متقی ہو۔"
(سورہ بقرہ ۱۸۳)

کائنات کے تمام اوقات اللہ تعالیٰ کے ہیں اس زمین پر ہر دن ہر ہفتہ 'ہر مہینہ ہر سال اللہ تعالیٰ کا ہے لیکن رمضان کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے خود اپنا مہینہ فرمایا ہے نماز 'زکوٰۃ 'حج 'اللہ تعالیٰ کے احکامات کی بجاآوری 'حقوق العباد کی ادائیگی 'غرض اللہ تعالیٰ کی عبادت واطاعت وفرمانبرداری کا ہر انداز مقدس ومتبرک ہے ہر عبادت اللہ تعالیٰ کی خوشی اور جزاء کے حصول کا ذریعہ ہے تاہم جزا کے معاملہ میں روزہ کو مفرد مقام حاصل ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ روزہ میرے لئے ہے اور روزہ کی جزاء میں خود ہوں۔

اللہ کے آخری رسول معلم اعظم حضرت محمدؐ نے شعبان میں رمضان المبارک کی اہمیت وفضیلت کے بارے میں امت مسلمہ کو آگہی بخشتے ہوئے فرمایا۔

لوگو! تم پر ایک بہت عظمت وبرکت والا مہینہ سایہ فگن ہونے والا ہے یہ وہ مہینہ ہے جس میں ایک رات ہزار مہینوں سے افضل ہے اس مہینہ میں دن کے اوقات میں روزہ فرض کیا گیا ہے اور رات میں قیام کرنا نفل عبادت ہے۔"

آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ۔

رمضان صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا بدلہ جنت ہے یہ ہمدردی اور غمخواری کا مہینہ ہے یہی وہ مہینہ ہے جس میں مومن بندوں کے رزق میں فراخی اور اضافہ کیا جاتا ہے جس نے اس مہینہ میں کسی روزہ دار کو افطار کروایا تو یہ اس کے لیے گناہوں کی مغفرت اور آتش دوزخ سے آزادی کا ذریعہ ہے اسے روزہ دار کے برابر اجر ہوگا اور روزہ دار کے اجر میں کوئی کمی نہیں ہوگی اس موقع پر صحابہ کرامؓ نے عرض کیا۔

یارسول اللہؐ ہم میں سے ہر ایک کو افطار کروانے کے وسائل میسر نہیں۔

نبی رحمتؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اجر اس کے لئے بھی ہے جو دودھ کی تھوڑی سی لسی پر یا صرف پانی کے گھونٹ پر ہی کسی روزہ دار کو افطار کروادے اور جو کوئی کسی روزہ دار کو پورا کھانا کھلادے اسے اللہ تعالیٰ میرے حوض کوثر سے ایسا سیراب کردے گا جس کے بعد اسے کبھی پیاس نہیں لگے گی تاآنکہ وہ جنت میں پہنچ جائے گا۔

www.ksars.org

مختلف روایات میں ملتا ہے کہ کئی آسمانی کتابیں اس ماہ میں نازل ہوئیں حضرت ابراہیمؑ کے صحیفے یکم تا تین رمضان حضرت داؤد کو زبور ۱۲ یا۱۸ رمضان کو 'حضرت موسیٰ کو توریت ۶ رمضان کو اور حضرت عیسیٰؑ کو انجیل ۱۲ یا۱۳ رمضان المبارت کو عطا ہوئی۔
رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے آخری رسول محمدؐ کے قلب اطہر پر قرآن نازل ہوا۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَن شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ

ترجمہ 'رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو انسانوں کے لئے ہدایت اور ایسی واضح تعلیمات پر مبنی ہے جو درست راستہ دکھانے والی اور حق و باطل کا فرق واضح کر دینے والی ہیں جو کوئی اس مہینہ کو پائے وہ اس مہینہ میں روزہ رکھے اور جو کوئی مریض ہو یا سفر میں ہو تو وہ دوسرے دنوں میں روزوں کی تعداد پوری کرے اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ نرمی چاہتا تا کہ تم روزوں کی تعداد پوری کر سکو اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں جو ہدایت عطا فرمائی ہے اس پر اللہ تعالیٰ کی کبریائی کا اظہار کرو اور اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بنو۔" (سورہ بقرہ)
"اے نبی ﷺ میرے بندے تم سے میرے بارے میں سوال کریں تو انہیں آگاہ کر دو کہ میں ان سے قریب ہی ہوں پکارنے والا جب مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی پکار سنتا ہوں اور جواب دیتاوں تو انہیں چاہیے کہ میرا حکم مانیں اور ایمان لائیں تا کہ راہِ راست پالیں۔" (سورہ بقرہ)
رمضان کے مہینہ کی نزول قرآن سے نسبت اور اس ماہ مبارک میں روزہ کی فرضیت سے آگہی عطا فرمانے کے ساتھ ساتھ آیات میں دو باتیں بہت زیادہ غور طلب ہیں ایک تو امتِ محمدیؐ کے لئے یہ اظہار کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے آسانی چاہتا ہے سختی نہیں چاہتا دوسرے اس حقیقت کا اظہار کہ اللہ تعالیٰ ہم سے بہت قریب ہے وہ ہماری ہر پکار کو سنتا ہے اور اس کا جواب عطا فرماتا ہے۔
ذہن میں سوال آتا ہے کہ ان امور کا اظہار بطور خاص نزول قرآن کے ذکر اور روزے فرض قرار دیتے ہوئے کیوں کیا گیا ہے اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق روزہ کا نتیجہ یا اس کا حاصل یہ ہے کہ انسان متقی ہو جائے انہی آیات میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں اپنے بندوں سے قریب ہی ہوں ان آیات سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ رمضان المبارک کے روز و شب میں روزہ رکھ کر اور قیام اللیل میں قرآن کی تلاوت اور سماعت کے ذریعہ بندہ کا وجود اللہ تعالیٰ کے انوار کو قبول و جذب کرنے کی استعداد و سکت حاصل کرنے لگتا ہے۔
قرآن پاک سے صحیح طور پر ہدایت حاصل کرنے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ ہدایت کا خواہشمند تقویٰ کے گوناگوں اوصاف کا حامل ہو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

"الم 'یہ کتاب ہر قسم کے شک وشبہ سے مبرا ہے یہ متقویوں کے لئے ہدایت ہے۔ (سورہ بقرہ)

قرآن سے فائدہ تو ہر کوئی اٹھا سکتا ہے لیکن اس سے ہدایت حاصل کرنا
متقیوں کے لئے ہی مخصوص ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ دنیا میں کامیابی اور آخرت میں سرخروئی کے لئے قرآن سے ہدایت پانے کے لئے ایک مخصوص طرز فکر کی ضرورت ہے قرآن اس طرز فکر کی حامل شخصیت کا تعارف "متقی" کی حیثیت سے کرواتا ہے۔
سوال یہ ہے کہ تقویٰ کیا ہے؟ قرآنی تعلیمات کے مطابق تقویٰ محض کسی ایک صفت یا وصف کا نام نہیں بلکہ یہ کئی صفات یا اوصاف پر مشتمل ایک پیکج ہے یہ تمام صفات اللہ کے حکم سے اختیاری واکتسابی ہیں انسان چاہے تو انہیں اپنا لے چاہے تو خود کو محروم رکھے قرآن پاک کے مطابق تقویٰ میں شامل ہیں "ایمان، قیام، الصلوٰۃ، روزہ رکھنا، زکوٰۃ دینا یعنی اللہ کی راہ میں خرچ کرنا اللہ کے گھر کی

www.ksars.org

زیارت یعنی حج، حق داروں کوان کا حق دینا، حلال روزی کا حصول، عہد کو پورا کرنا، عدل وانصاف کا مکمل اہتمام سختی اور تکلیف کے وقت ثابت قدم رہنا، اللہ تعالیٰ کے راہ میں قربانی دینا، ظاہری و باطنی پاکیزگی کا اہتمام کرنا، ظاہری پاکیزگی کا مطلب ہے ذاتی اور ماحول کی صفائی کا اہتمام کرنا جب کہ باطنی پاکیزگی سے مرادنیت کی صفائی و پاکیزگی راست بازی اور مثبت طرز فکر یعنی پازیٹو تھینکنگ، اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ ادب و شعائر کی تعظیم و احترام معاشرہ میں ظلم و فساد سے باز رہنا۔"

یہ ہیں چند نمایاں اوصاف جن کا تذکرہ قرآن پاک میں تقویٰ کے حوالے سے کیا گیا ہے تقویٰ کے اس پیکج میں جن امور کا تذکرہ ہوا ہے انہیں ہم دو بڑے حصون میں تقسیم کر سکتے ہیں ایک حصہ کا تعلق خالصتاً عبادات سے ہے جب کہ دوسرے حصہ کا تعلق معاملات سے ہے عبادات کا تعلق اللہ تعالیٰ اور بندہ سے ہے جب کہ معاملات انسانوں کے مابین عمل پذیر ہوتے ہیں۔

قرآن کے مطابق روزہ کا حاصل تقویٰ ہے حدیث قدسی کے مطابق روزہ کی جزااللہ ہے۔

رمضان کا مہینہ تقویٰ کے حصول کے لئے بہترین ماحول فراہم کرتا ہے۔ یہ اللہ کا مہینہ ہے نزول قرآن کا مہینہ ہے روزہ اور قیام الیل کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے تعلق استوار کرنے کا مہینہ ہے۔ قرآن سے ہدایت متقیوں کو ملتی ہے روزہ انسان میں تقویٰ کے اوصاف پیدا کرتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ رمضان المبارک کو اس کے صحیح آداب کے ساتھ بسر کرنے والا بندہ ایسی جسمانی، ذہنی و روحانی کیفیات سے گزرتا ہے جس کے نتیجے میں اس پر اللہ تعالیٰ کی مشیت کے راز آشکار ہوتے ہیں۔ بندہ کا ذہنی، قلبی و روحانی تعلق اپنے خالق، اپنے مالک اللہ وحدہٗ لاشریک کے ساتھ قائم ہوتا ہے روزہ کے ذریعے بندہ کے اندر وہ حواس بیدار و متحرک ہو جاتے ہیں جن حواس کے ذریعے انسان فرشتوں کی موجودگی اور اللہ تعالیٰ کے انوار کو محسوس کر سکتا ہے۔ اللہ چاہے تو بندہ ان انوار کا مشاہدہ بھی کر سکتا ہے۔ شب قدر اسی مشاہداتی نظر کے حصول کے لئے بہترین موقع فراہم کرتی ہے۔

رمضان کے ماحول کو کوئی نام دینا چاہیں تو ہم کہیں گے کہ رمضان المبارک ایک خاص روحانی ماحول فراہم کرتا ہے یہ ماحول بندہ عاشق صادق کو اپنے رب اپنے محبوب کے خیال میں محو و سرشار رکھتا ہے روزہ دار اپنے محبوب کی رضا کے لئے خوشی خوشی بھوک، پیاس برداشت کرتا ہے محبوب کے تصور اور اس کے جلوؤں کی چاہ میں قیام کرتے ہوئے رات کا بڑا حصہ جاگ کر گزارتا ہے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں ساری ساری رات جاگ کر اپنے محبوب رب سے اس کی رضا کا مغفرت کا طلبگار رہتا ہے یہ مہینہ، بندہ میں عشق کی شدت کو اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق کو بڑھاتا ہے اس مہینہ کے روز و شب میں مرتب ہونے والی روحانی کیفیات اللہ وحدہ لاشریک پر ایمان میں اضافہ کا ذریعہ بنتی ہیں۔ رمضان کے مہینے میں مبارک و منور ساعتوں والی وہ رات جس میں نزول قرآن کا آغاز ہوا لیلۃ القدر ہے۔

إنا أنزلناه في ليلة القدر، بے شک ہم نے اس کو شب قدر میں نازل فرمایا۔

یہاں ذہن میں سوال اٹھتا ہے کہ شب قدر کا مطلب کیا ہے قرآن خود ہی سوال قائم فرماتا ہے اور پھر اس کا جواب بھی دیتا ہے۔

وما ادراك ما ليلة القدر

اور آپ کیا سمجھے کہ شب قدر کیا ہے۔

ليلة القدر خير من الف شهر

یہ رات (شب قدر) ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔

شب قدر کی مبارک ساعتوں میں غار حرا میں نزول قرآن ہوا۔

www.ksars.org

اللہ تعالیٰ کے مقرب فرشتے جبرائیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا پیغام لے کر اللہ کے آخری نبی حضرت محمدؐ کے پاس آئے اور نوع انسانی کے لئے رہتی دنیاتک کے لئے ہدایت وکامرانی کے فارمولوں پر مشتمل دستاویز کاآغازان آیات سے ہوا۔

اقرا باسم ربک الذی خلق خلق الانسان من علق اقرا و ربک الاکرام الذی علم بالقلم علم الانسان مالم یعلم

ترجمہ پڑھو!اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا جمے ہوئے خون کے لوتھڑے سے انسان کی تخلیق کی،پڑھواور تمہارا رب بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعہ علم سکھایااور انسان کو وہ کچھ سکھایا جو وہ نہ جانتا تھا۔

قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو اس نے اپنے محبوب ترین بندے حضرت محمدؐ کے ذریعہ نوع انسانی کے لئے نازل فرمایا جن ساعتوں میں اس کے نزول کاآغاز ہوااان کی شان یہ ہے کہ وہ ہزار مہینوں سے بہتر ہیں اس وقت جو آیات نازل ہوئیں ان میں پڑھنے کا، اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا،انسان کی تخلیق کا،اللہ تعالیٰ کی شان کریمی کا،علم اور قلم کاتذکرہ ہے۔یہ علوم کیاہیں اور قلم کا کیا مطلب ہے ؟

سلسلہ عظیمیہ کے بزرگوں اور دیگر صوفیاء کی تعلیمات سے حاصل ہونے والی فہم و دانش کے مطابق یہاں علم کا مطلب دراصل اللہ تعالیٰ کاارادہ اور اللہ تعالیٰ کی مشیت ہے یہ ساری کائنات،آسمان،زمین،فرشتے،جنات،انسان،چرند،پرند نباتات وجمادات ان میں پائے جانے والے تمام نظام، تقاضے مثلاً پیدائش، بھوک پیاس، بڑھوتری، بقائے نسل وغیرہ اور تمام جذبات مثلاً محبت، نفرت، پیار غصہ مسابقت وغیرہ سب اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے ہیں ان سب چیزوں کے بارے میں جاننااور سمجھنا علم کے دائرہ میں آتاہے زندگی کے مختلف تقاضوں کی تکمیل کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہر نوع کو حسب ضرورت علم عطا کیاہے مثلاً مچھلی کو زندگی گزارنے کے لئے ضروری دوسرے علوم کے ساتھ ساتھ پانی میں تیرنے کا علم ودیعت کردیا گیاہے اسی طرح پرندوں کو فضاء میں اڑنے کا علم ودیعت کردیا گیا۔اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو علم عطا کیاجنات کو علم عطا کیاان کے بعد انسان کو علم عطا کیا مگر انسان کو فرشتوں کواور جنات سے بہت زیادہ علم عطا کرکے فضیلت عطا فرمادی۔فضیلت دلوانے والا یہ علم کیاہے یہ اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ وہ علم ہے جسے علم الاسماء کہا جاتاہے اسی علم کی وجہ سے انسان کو اللہ کانائب اور مسجود ملائک ہونے کا شرف ملاہے۔

علم الاسماء کیاہے یہ کائنات کے ایک ایک ذرہ ایک ایک فرد ایک ایک نوع،زمین،آسمان،ستاروں،نظام ہائے شمسی،کہکشاؤں میں جاری و ساری اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ صفات کا علم ہے جو کچھ اس کائنات میں ہورہاہے سب کاسب اللہ تعالیٰ کے ارادہ کا مظہر یاڈسپلے ہے یہاں کوئی چیز کوئی عمل اللہ تعالیٰ کے احاطہ علم اور قدرت سے باہر نہیں ہے ہر چیز کی فطرت اور مقدار اللہ تعالیٰ کی طرف سے متعین کردہ ہے۔علم الاسماء کی کئی جہتیں ہیں مثلاً ایک درخت ہے اس میں پھول اور پھل آتے ہیں ایک درخت بیج سے کونپل،کونپل سے پودا،پودے سے درخت بننے تک جن جن مراحل سے گزرتاہے یہ سب علم ہے۔درخت میں تمام مراحل کس کس وقت اور کس طرح طے ہوتے ہیں

www.ksars.org

یہ معلوم کرنا اس علم کی تفہیم ہے کسی چیز کا ہونا علم ہے اور کسی چیز کے بارے میں جاننا اسے دریافت کرنا اس میں تصرف یہ سب کے سب "قلم" سے تعلق رکھتے ہیں۔ چنانچہ سیکھنے، تسخیر کرنے اور تصرف کرنے کا ہر عمل "قلم" کے دائرہ میں آتا ہے معروف معنوں میں پین ہو یا پینسل، ٹائپ رائٹر ہو یا کمپیوٹر یا آئندہ وقتوں میں سامنے آنے والی کچھ اور چیزیں یہ سب بنیادی طور پر قلم کے زمرہ میں آتی ہیں سیکھنے کا عمل اور سکھانے کے تمام آلات علم کی تشریح، تجزیہ، ترتیب وتدوین کے تمام کام "قلم" سے تعلق رکھتے ہیں۔

شب قدر میں بہ ترتیب نزول قرآن کی ابتدائی آیات میں ہی انسان کی تخلیق اس کے شرف کے حصول اور اس پر اللہ تعالی کے انعام و اکرام کا ذکر بڑا معنی خیز اور فکر انگیز ہے ان آیات میں تفکر سے یہ بات ذہن میں آتی ہے کہ سورۃ علق کی ابتدائی پانچ آیات دراصل خالق حقیقی اور انسان کے درمیان عبد اور معبود کے تعلق اور انسان اور کائنات کے درمیاب پائے جانے والے تعلق کو سمجھنے کی شاہ کلید ماسٹر کی یا پاس ورڈ ہیں۔

ان پاس ورڈز کو سمجھنے یا اس ماسٹر کی کو بروئے کار لانے کے لئے ایک خاص اہلیت درکار ہے یہ اہلیت صاحب قرآن حضرت محمدؐ کی تعلیمات اور طرز فکر کے تحت قرآن میں تفکر کرنے سے حاصل ہوتی ہے جو افراد یا جو قومیں قرآن کے حقیقی فہم سے رہنمائی اور ہدایت حاصل کرکے قدم اٹھاتی ہیں کامیابی ان کے راستہ میں آنکھیں بچھائے کھڑی ہوتی ہے یہ کوئی خوش عقیدگی پر مبنی دعویٰ نہیں اس حقیقت کی گواہی سے تاریخ کے صفحات بھرے پڑے ہیں سب سے پہلی گواہی دور نبویؐ سے ملتی ہے۔

تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ جب تک امت نے قرآن سے تعلق قائم رکھا اور قرآن سے ہدایت حاصل کرتی رہی اسے ترقی و کامیابی حاصل رہی جب امت نے قرآن سے عملاً لاتعلقی اختیار کرلی اور اسے محض دعا و تعویز کے لئے گھر میں برکت یا ایصال ثواب کے لئے پڑھنے لگی اجتماعی معاملات میں قرآنی احکامات سے چشم پوشی یا انحراف کیا جانے لگا تو ایک متحد و مضبوط امت منتشر لوگوں کے گروہ کی طرح ہوگئی رمضان کا مہینہ نزول قرآن کا مہینہ ہے، روزوں کا مہینہ ہے، رحمتوں اور مغفرتوں کا مہینہ ہے صبر اور ایثار اور انسانوں کے ساتھ ہمدردی کرنے کا مہینہ ہے۔ اپنی حالت زار پر غور کرنے کے لئے اس مہینہ میں میسر ماحول سے بہتر ماحول اور کون سا ہو سکتا ہے۔

رمضان المبارک کے اجتماعی تربیتی پروگرام سے مسلم معاشرہ میں ایک نہایت پاکیزہ اور ایمان افروز کیفیت پیدا ہوتی ہے ایک مہینے کی یہ تربیت انسان کو اس قابل بناتی ہے کہ مسلمان پورے سال اس طرح زندگی گزاریں کہ ہر لمحہ خود احتسابی ان کی زندگی کا حصہ بن جائے کسی بھی کام کی انجام دہی سے قبل ان کے ذہن میں یہ خیال غالب رہے کہ میرا یہ عمل اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہے یا نہیں۔

رمضان المبارک روحانی تربیتی پروگرام

قرآن کے ارشاد کے مطابق

ومن کل شئی خلقنا زوجین لعلکم تذکرون

ترجمہ "اور ہر چیز کے بنائے ہم نے جوڑے شاید تم دھیان کرو'

انسانی حواس کے بھی دو رخ ہیں۔

www.ksars.org

کائنات میں ہر ذی روح کے اندر دو حواس کام کرتے ہیں۔

ا۔وہ حواس جو اللہ سے قریب کرتے ہیں۔

۲۔وہ حواس جو اللہ اور بندے کے درمیان فاصلہ بن جاتے ہیں۔

اللہ سے دور کرنے والے حواس سب کے سب مظاہر ہیں اور اللہ سے قریب کرنے والے سب کے سب غیب ہیں۔ مظاہر میں انسان زمان و مکان میں قید و بند ہے اور غیب میں زمانیت اور مکانیت انسان کی پابند ہے۔ جو حواس ہمیں غیب سے روشناس اور متعارف کراتے ہیں۔ قرآن پاک کی زبان میں ان کا نام ''لیل''یعنی رات ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ہم داخل کرتے ہیں رات کو دن مین اور داخل کرتے ہیں دن کو رات میں۔

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

''ہم نکالتے ہیں دن کو رات میں سے اور رات کو دن میں سے۔''

یعنی حواس ایک ہی ہیں۔ ان میں صرف درجہ بندی ہوتی ہے۔ دن کے حواس میں نہ زمان اور مکان کی پابندی ہے لیکن رات کے حواس میں مکانیت اور زمانیت کی پابندی نہیں ہے۔ رات کے یہی حواس غیب میں سفر کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں اور انہی حواس سے انسان برزخ، اعراف، ملائکہ اور ملاءاعلیٰ کا عرفان حاصل کرتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تذکرہ میں اللہ رب العزت فرماتے ہیں:

ترجمہ: اور وعدہ کیا ہم نے موسیٰ سے تیس (۳۰) رات کا اور پورا کیا ان کو دس سے تب پوری ہوئی مدت تیرے رب کی چالیس (۴۰) رات۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو چالیس راتوں میں تورات (غیبی انکشافات) عطا فرمائی۔ فرمانِ خداوندی بہت زیادہ غور اور فکر طلب ہے اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ ہم نے چالیس (۴۰) دن میں وعدہ پورا فرمایا، صرف رات کا تذکرہ فرمایا ہے۔ جب کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے چالیس (۴۰) دن اور چالیس (۴۰) رات کوہ طور پر قیام فرمایا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ چالیس دن اور چالیس رات حضرت موسیٰ علیہ السلام پر رات کے حواس غالب رہے۔

رات کے حواس (سونے کی حالت) میں ہم نہ کھاتے ہیں، نہ بات کرتے ہیں، اور نہ ہی ارادتاً ذہن کو دنیاوی معاملات میں استعمال کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ہم مظاہراتی پابندی سے بھی آزاد ہو جاتے ہیں۔ روزے کا پروگرام ہمیں یہی عمل اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے۔ روزے میں تقریباً وہ تمام حواس ہمارے اوپر مسلط ہو جاتے ہیں جن کا نام رات ہے۔

www.ksars.org

گفتگو میں احتیاط اور زیادہ سے زیادہ عبادت میں مصروف رہنا، بات نہ کرنے کے عمل سے قریب کرتا ہے اور زیادہ عبادت ہمیں غیب سے کرتی ہے۔ ذہن کا اس بات پر مرکوز رہنا کہ یہ کام صرف اللہ کے لئے کر رہے ہیں، ذہن کو دنیا کی طرف سے ہٹاتا ہے۔ زیادہ وقت بیدار رہ کر رات (غیب) کے حواس سے قریب ہونے کی کوشش کی جاتی ہے۔ یہ وہی حواس ہیں جن کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کے واقعے میں کیا ہے۔ رمضان کا پورا مہینہ دراصل ایک پروگرام ہے اس بات سے متعلق کہ ''انسان اپنی روح اور غیب سے متعارف ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

"روزہ کی جزا میں ہوں روزہ کا بدل میں ہوں روزہ میرے لئے ہے۔"

دراصل روزہ ہی ہمارے ہاں وہ نظام ہے جو ''ترک'' سے تعلق رکھتا ہے۔ آپ اپنا زیادہ سے زیادہ وقت عبادت میں گزارتے ہیں اس وقت آپ کاروبار کو بھی ترک کر دیتے ہیں معاش بھی آپ کے ذہن میں نہیں ہوتی صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے صاف ستھری زندگی، صحیح نظام الاوقات کی حدود میں گزارتے ہیں تو وہاں اللہ تعالیٰ خود رہنمائی کرتا ہے۔ اللہ خود آپ کے ساتھ ہوتا ہے۔ اب آپ اس بات کا اندازہ لگایے کہ اس وقت آپ اللہ سے کتنے قریب ہوتے ہیں۔

حضرت مولانا روم ایک شعر میں فرماتے ہیں۔

''گفتۂ او گفتۂ اللہ بود

گرچہ از حلقوم عبداللہ بود ''

مولانا جلال الدین رومی نے اسی حالت کے لئے یہ شعر کہا ہے آپ اس کو پڑھ کر ذرا اس کی گہرائی میں جائیں اور غور کریں بار بار غور کریں سوچیں اور بار بار سوچیں کہ یہ شعر کہتے وقت مولانا رومی پر کس قسم کی کیفیت طاری تھی ایسی کیفیت محض لفظوں کے الٹ پھیر سے نہیں ہوتی بلکہ ایک حقیقت ہے جو اس قسم کے شعر کہلا دیتی ہے۔

لوگوں کو یہ کہتے سنا گیا ہے کہ اس قسم کے پروگرام جس سے غیب کی دنیا کا انکشاف صرف خاص حضرات کے لئے مخصوص ہیں۔

یہ بات کہہ کر حضرت فرماتے ہیں کہ اگر اس قسم کے پروگرام مخصوص لوگوں کے لئے ہوتے تو ہم یہ کہتے ہیں کہ مولانا رومی کی بیوی تھیں بچے تھے وہ حدیث کا درس بھی دیتے تھے کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ وہ مجذوب تھے یا وہ ہوش میں نہیں تھے؟ ایسا نہیں ہے وہ اس طرح زندگی گزارتے تھے جس طرح ایک عام آدمی زندگی بسر کرتا ہے فرق یہ ہے کہ وہ ترک کی لذت سے آشنا تھے اور ترک کی لذت سے نہیں ہیں۔ کیا حضور اکرمؐ کے ہر امتی کے لئے یہ ممکن نہیں ہے جو مولانا رومی کے لئے ممکن ہوا یقیناً ہم سب کے لئے یہ ترک ممکن ہے لیکن ہم غفلت میں ہیں۔

www.ksars.org

قرآن پاک نے جس رات کا نام لیلۃ القدر رکھا ہے وہ دراصل ترک کا پروگرام ہے جو پورے رمضان شریف میں تکمیل پاتا ہے۔ رمضان کا پورا مہینہ دراصل ایک پروگرام ہے اس بات سے متعلق کہ انسان اپنی روح اور غیب سے متعارف ہو جائے۔

ماہ رمضان میں عبادات

حضور اکرمؐ نے رمضان کے پہلے عشرے کو رحمت، دوسرے کو بخشش اور آخری عشرے کو نار جہنم سے رہائی فرمایا ہے۔ رمضان کے آخری عشرے میں حضور اکرمؐ مسجدِ نبوی میں اعتکاف فرماتے۔ اس ماہ کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں شب بیداری کے ذریعہ شب قدر کی تلاش کا حکم دیا گیا ہے جس کے بارے میں قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے۔

ہم نے اس قرآن کو شب قدر میں نازل کیا اور تمہیں کیا معلوم کہ شب قدر کیا ہے۔ شب قدر ہزار مہینے سے بہتر ہے۔ اور اس میں روح (الامین) اور فرشتے اپنے پروردگار کے حکم سے اترتے ہیں یہ (رات) طلوع فجر تک سلامتی ہے" القدر:5-1

"اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق لیلۃ القدر ایک ہزار مہینوں کے دن اور رات کے حواس سے افضل ہے اس کو سمجھنے کے لئے ہم اس طرح کہہ سکتے ہیں کہ رات کے حواس کی رفتار اس رات میں (جو بہتر ہے ہزار مہینوں سے) ساٹھ ہزار گنا بڑھ جاتی ہے کیونکہ ایک ہزار مہنوں میں تیس ہزار دن اور تیس ہزار راتیں ہوتی ہیں۔"

اس مبارک رات میں قرآن پاک کا نزول ہوا ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ترجمہ: بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور روشن کتاب آچکی ہے۔" (المائدہ)

ترجمہ: ماہ رمضان جس میں نازل ہوا قرآن جس میں ہدایت ہے لوگوں کے واسطے اور راہ پانے کی کھلی نشانی ہیں۔

"رمضان کی دس تاریخ تک ہمیں اس ات کی عادت ہو جاتی ہے کہ ہم ان حواس کی گرفت کو توڑ سکیں جو گیارہ ماہ ہم پر مسلط رہے ہیں پس روزے رکھنے کے بعد اگر ہم کوشش کریں تو بہت آسانی کے ساتھ روح کی خفتہ صلاحیتوں کو بیدار کر سکتے ہیں۔"

اس مہینہ میں مکمل قرآن کریم کی تلاوت کرنا مسنون ہے احادیث مبارکہ میں ہے کہ حضور پاکؐ ماہ رمضان میں حضرت جبرائیل علیہ السلام سے قرآن سنا کرتے تھے۔

رمضان المبارک کی خصوصی نماز تراویح ہے تراویح سنت موکدہ ہے جہاں ممکن ہو سکے خواتین کو بھی تراویح میں قرآن سننے کا اہتمام کرنا چاہیے حضورؐ نے فرمایا ہے کہ "جو شخص ایمان کے ساتھ ثواب کی غرض سے تراویح پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کے گزشتہ گناہ معاف فرمادیں گے" رمضان المبارک کا چاند نظر آنے کے بعد شوال کا چاند نظر آنے تک ہر روز بعد نماز عشاء یہ نماز پڑھی جاتی ہے نماز تراویح اور نماز تہجد کے ذریعہ قیام الیل میں جب بندہ کی پوری توجہ اللہ کی جانب مرکوز ہو جاتی ہے تو اللہ ایسے بندے کے اجر کی زمہ داری لے لیتا ہے اور اسے اس کی عبادات اور نیت کا پورا پورا اجر دیتا ہے۔

www.ksars.org

رمضان کے آخری عشرہ کو جہنم سے نجات کا عشرہ قرار دیا گیا ہے اور حضور پاکؐ کے ارشادات کے مطابق رمضان کی آخری طاق راتوں میں شب قدر ہے شب قدر نہایت قابل قدر چیز ہے اس رات میں شب بیداری کرنی چاہیے اور اللہ کی عبادت کرنے چاہیے کوشش اور دعا کرنی چاہیے کہ شب قدر کی برکات عطا ہوں اس رات کی فضیلت قرآن کے مطابق یہ ہے کہ اس میں فرشتے اور روح نازل ہوتے ہیں۔یعنی انسان غیب کی دنیا کا مشاہدہ کرلیتا ہے ان لوگوں کو کف افسوس ملنا چاہیے جو اس رات کی رحمت و برکت سے محروم رہ گئے حدیث شریف میں ہے کہ "جو اس رات سے محروم ہو گیا وہ بڑی دولت سے محروم ہو گیا" رمضان کے آخری عشرے میں زیادہ سے زیادہ عبادت، اعتکاف اور شب بیداری کا اہتمام کرنا چاہیے اگر تمام رات شب بیداری ممکن نہ ہو تو رات کا کچھ حصہ جاگ کر گزار لینا چاہئے۔

مراقبہ: مراقبہ ایک طرز فکر ہے اور ایک ایسی ذہنی کیفیت کا نام ہے جو خوابیدہ صلاحیتوں کو بیدار اور متحرک کر دیتی ہے۔رمضان المبارک میں چونکہ یکسوئی کا حصول اور غیب کے بارے میں جستجو اور مشاہدہ کا ذوق بڑھ جاتا ہے اس لئے اگر کچھ وقت مراقبہ کے لئے وقف کیا جائے تو غیبی صلاحیتوں کے حصول میں مزید آسانی پیدا ہو جاتی ہے ذہنی صلاحیتوں کو جلا ملے گی اور دین و دنیا کے معاملات میں بہتری ہو گی۔

رمضان المبارک کی عبادت، روزہ، درحقیقت ایک ایسی عبادت ہے جس میں انسان اپنے جذبات اور تقاضوں کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرکے اپنے دل کو یاد الٰہی میں مشغول کرلیتا ہے۔

یوں تو مسلمان بھائیوں کی خیر خواہی اور ان کی دستگیری کے اہتمام کے لئے کوئی وقت، مہینہ یا دن مخصوص نہیں لیکن رمضان المبارک میں زکوٰۃ کی ادائیگی اور صدقہ و خیرات کرنے کی جانب میلان میں تیزی آجاتی ہے عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں "حضرت محمدؐ سب لوگوں سے زیادہ سخی تھے اور رمضان میں رسول اللہؐ عام دنوں سے زیادہ سخاوت فرماتے۔(بخاری)

امام غزالی فرماتے ہیں کہ "ماہ صیام دراصل خلوت اور خاموشی کا مہینہ ہے۔"

ذہنی یکسوئی کے لئے ایسا ماحول تشکیل دیا جائے جہاں ہر شخص اپنی ضروریات کی تکمیل کی طرف سے بے فکر ہو کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو اس کے لئے زکوٰۃ خیرات اور فطرانہ وغیرہ کی مد میں مسلمان بھائیوں کی مالی استعانت پر زور دیا گیا ہے۔

حضرت علی فرماتے ہیں۔

"تم میں کوئی شخص اپنے عزیز و اقارب کو فقر و پریشانی میں مبتلا دیکھے تو (کم از کم) اتنا مال خرچ کرکے ان کی مدد کردے کہ اگر وہ اسے کہیں اور خرچ نہ کرے تو اس کے مال و دولت میں کوئی اضافہ نہیں ہو گا اور اگر خرچ کر ڈالے تو کمی نہ ہو گی وہ شخص جو اپنے لوگوں کی مدد کرنے سے ہاتھ کھینچ لیتا ہے اس کا ایک ہاتھ رکتا ہے تو بہت سے ہاتھ رک جاتے ہیں۔"

www.ksars.org

"ترک کی نفسیاتی گہرائیوں پر غور کریں کہ انسان خالصتاً اللہ تعالیٰ کے لئے چند پیسے خرچ کر کے کتنی بڑی خوشی حاصل کرتا ہے وہ خوشی اس کی روح کے اندر سما جاتی ہے۔ یہ خوشی اس کے کونے کونے کو منور کر دیتی ہے اس خوشی سے اس کی روح اتنی ہلکی ہو جاتی ہے کہ وہ اپنے جسم کو بھول جاتا ہے۔"

زکوٰۃ:

زکوٰۃ اسلام کا بنیادی رکن ہے سال میں ایک بار مال کی متعین کردہ شرح کے مطابق زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے زکوٰۃ کا مقصد دل کو مال و جاہ کی محبت سے خالی کرنا ہے تاکہ بندہ کے دل میں یہ احساس جاگزیں ہو جائے کہ اس کی زندگی، مال و دولت سب کچھ اس کے خالق و مالک کا عطا کردہ ہے جب سال پورا ہو جائے تو زکوٰۃ ادا کرنے میں جلدی کرے جو شخص قدرت کے باوجود زکوٰۃ ادا کرنے میں تاخیر کرے وہ گنہگار ہے زکوٰۃ ادا کرتے وقت اس بات کو خاص طور پر ملحوظ رکھنا چاہیے کہ زکوٰۃ چھپا کر دی جائے چھپا کر دینے میں ریاکاری اور طلب جاہ کا گمان نہیں ہوتا زکوٰۃ کسی بھی مستحق فرد کو دی جاسکتی ہے بہتر یہ ہے کہ پہلے اپنے اقرباء کا خیال رکھا جائے۔

حضرت امام جعفر صادق فرماتے ہیں۔

زکوٰۃ اس لئے مقرر کی گئی ہے کہ دولت مندوں کو آزمایا جائے اور ناداروں کی مدد ہو اگر لوگ اپنے مال کی زکوٰۃ دیتے رہتے تو کبھی کوئی مسلمان فقیر اور محتاج نہ ہوتا۔"

صدقہ و خیرات

قرآن پاک میں ارشاد ہے۔

"جو لوگ مال و دولت چھپا کر رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو ان کو المناک عذاب کی خوشخبری سنا تو دیجئے (سورہ انفال آیت 36)

صدقہ و خیرات کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ اسے بوجھ سمجھ کر اتار کر نہ پھینکا جائے اور صدقہ، خیرات اور زکوٰۃ ایسے ضرورت مند کو دی جائے جو کہ اپنی ضرورت کو چھپاتا ہو اپنی تکالیف اور شکایات کا بہت زیادہ اظہار نہ کرتا ہو یا وہ جو کسی وجہ سے اب صاحب ثروت نہ رہا ہو اور شرافت اور وضع داری قائم رکھے ہوئے ہو ایسے لوگوں کے بارے میں قرآن پاک میں ارشاد ہوا ہے۔

"اور جو مال خرچ کرو گے وہ تمہیں پورا پورا ادے دیا جائے گا اور تمہارا کچھ نقصان نہ کیا جائے گا ان حاجت مندوں کے لئے جو خدا کی راہ میں رکے بیٹھے ہیں اور ملک میں کسی طرف جانے کی طاقت نہیں رکھتے یہاں تک کہ نہ مانگنے کی وجہ سے ناواقف شخص ان کو غنی خیال کرتا ہے اور تم قیافے سے ان کو پہچان لو (حاجت مند ہیں اور شرم کی وجہ سے سوال نہین کرتے) اور لپٹ کر نہیں مانگتے۔

www.ksars.org

(سورہ بقرہ 272-273)

روزہ دار کو افطار کرانا ایک نہایت مستحسن عمل ہے رمضان المبارک کے مہینہ میں سحر وافطار میں مسلمانوں میں اجتماعیت اور دوسرے کی خیر خواہی کا جذبہ ہمیں عام دنوں کی نسبت زیادہ متحرک نظر آتا ہے اس مہینہ میں مسلمان اپنے سال بھر کی روٹین ترک کر کے اللہ تعالیٰ کے متعین کردہ شیڈول کے مطابق اپنی زندگی میں خود کار طریقہ سے تبدیلی لے آتے ہیں فجر سے پہلے کی رونقیں، مساجد میں نمازیوں کا اژدھام، تراویح کی باجماعت نماز اور ختم قرآن کی محافل کی وجہ سے پورا ماحول پاکیزہ اور نورانی محسوس ہوتا ہے زکوٰۃ وخیرات کی مد میں بھی پورے سال سے زیادہ اس ماہ میں خرچ کیا جاتا ہے مساجد میں روزانہ روزہ داروں کے لئے افطار کا خاص اہتمام ہوتا ہے ناگزیر وجوہات کی بناء پر جو روزہ دار افطار کے وقت اپنے معاش کے کاموں سے فارغ ہو کر گھر نہیں پہنچ پاتے ان کے لئے مختلف چوراہوں پر ایسے اسٹالز لگائے جاتے ہیں جہاں افطار کے تمام لوازمات مہیا کئے جاتے ہیں ضرورت اس امر کی ہے کہ کار خیر کا یہ جذبہ پورے سال اور ہر مسلمان کی پوری زندگی پر محیط ہو۔

ہم خوش نصیب ہیں کہ رحمت ومغفرت اور ایک انتہائی بابرکت رات اپنے دامن میں لیے ہوئے یہ مہینہ ہماری زندگی میں آیا ہے اللہ تعالیٰ نے ہمیں بے حد وبے حساب اجر سے نوازنے کے لئے پکارا ہے قدرت نے ہمیں اپنا تزکیہ کرنے کا موقع عنایت فرمایا ہے ہمارے سامنے ہدایت کی شاہرہ کھلی ہوئی ہے اگر خود کو اس راہ کا مسافر بنانا ہے اور رمضان سے بھرپور فیض حاصل کرنا ہے تو پوری یکسوئی اور توجہ کے ساتھ اپنے خالق ومعبود کی طرف متوجہ ہو کر اپنی روح کی بالیدگی کا سامان کرلیں اور اللہ تعالیٰ کی رضا اور قربت حاصل کرنے کے لئے "ترک" کی لذت سے آشنا ہو کر بے شمار فیوض وبرکات اور رضائے الٰہی کا سامان کریں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو رمضان المبارک کی برکتوں سے مالا مال کرے۔

www.ksars.org

مخلوق کی خدمت

طرز فکر

دنیا میں جو کچھ موجود ہے اس کا تعلق براہ راست طرز فکر سے ہے۔ایک طرز فکر وہ ہے جس کا تعلق براہ راست اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہے اور ایک طرز فکر وہ ہے جس طرز فکر کا رابطہ اللہ تعالیٰ سے قائم نہیں ہے۔اللہ تعالیٰ کی طرز فکر کا مشاہدہ ہر آن اور ہر گھڑی ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے خود بھی قرآن پاک میں ارشاد فرمایا ہے۔'' ہماری نشانیوں پر غور کرو، تفکر کرو اور عاقل، بالغ، باشعور، سمجھ دار اور فہیم لوگ وہ ہیں جو ہماری نشانیوں پر غور کرتے ہیں۔''اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں ظاہر، حواس سے دیکھی جانے والی نشانیاں جن سے ہم ہر وقت مستفیض ہوتے رہتے ہیں وہ ہوا، پانی، دھوپ اور رنگ ہیں۔

یہ ساری چیزیں براہ راست اللہ تعالیٰ کی تخلیق کردہ ہیں۔ان تخلیقات پر جب تفکر کیا جاتا ہے تو بجز اس کے کوئی بات سامنے نہیں آتی کہ ان تمام تخلیقات سے اللہ تعالیٰ کا منشاء اور مقصد یہ ہے کہ مخلوق کو فائدہ پہنچے ایسا فائدہ کہ جس فائدہ کے پیچھے کوئی غرض، کوئی صلہ، کوئی مقصد، کوئی لین دین اور کوئی کاروبار نہیں ہے۔

انبیاء کی ساری تعلیمات کا نچوڑ یہ ہے کہ بندے کی زندگی کو اللہ تعالیٰ کی طرف موڑ دیا جائے۔اگر اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر صلاحیتوں کا ذخیرہ جمع کر دیا ہے تو جب اللہ تعالیٰ اسے توفیق دیں اور وہ ان صلاحیتوں کا استعمال کرے تو اس کے ذہن میں یہ بات رہے کہ میری صلاحیتوں کا اظہار اس لئے ہو رہا ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو فائدہ پہنچے۔

اللہ کے دوست

آپ کسی نمازی سے دوستی کرنا چاہتے ہیں اس کے ساتھ نمازی بن جاتے ہیں۔کسی تاش کھیلنے والے کے ساتھ دوستی کرنا چاہتے ہیں تو تاش کھیلنا شروع کر دیتے ہیں۔مطلب یہ کہ اگر ہم شیطان سے قربت کے خوگر ہیں تو شیطان کے اوصاف پسند کرتے ہیں اور اگر ہم رحمان سے قربت چاہتے ہیں تو رحمان کی عادات وصفات اختیار کرتے ہیں۔

رحمان کی صفات یہ ہیں کہ وہ اپنی مخلوق کی خدمت میں ہمہ وقت مصروف ہے۔پس، اگر آپ اپنے اللہ اپنے خالق سے متعارف ہو کر اس کی قربت اختیار کر کے کائنات پر اپنی حاکمیت قائم کرنا چاہتے ہیں تو اللہ کی مخلوق کی خدمت کو اپنا شعار بنالیجئے۔بلاشبہ اللہ کی مخلوق سے محبت رکھنے والے لوگ اللہ کے دوست ہیں اور دوست پر ساری کائنات کے مالک کی نوازشات کی بارش بن کر برستی ہے۔

اللہ کی رضا کے حصول اور اس کے راستے کی طرف دعوت دینے کا مؤثر ذریعہ مخلوق خدا کی بے لوث خدمت ہے۔ایسی خدمت جو خالص انسانی قدروں اور خلوص و محبت اور خیر خواہی کے جذبات پر قائم ہو' نہ کہ بدلے اور گھٹیا سودے بازی پر۔اللہ کی مخلوق سے محبت کا تعلق استوار رکھنا اور اللہ کی مخلوق ہونے کے ناطے سے ان کی خدمت کرنا خالق کی رضا اور خوشنودی کے حصول کا بہترین ذریعہ ہے۔

www.ksars.org

بغاوت

انسان سمجھتا ہے کہ مال ودولت کے انبار اس کی ضروریات کی کفالت کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ گن گن کر مال ودولت جمع کرتا ہے اور اس یقین کی وجہ سے اس کی یہ حالت ہو جاتی ہے کہ مرتے دم تک مال و دولت کے معاملے میں ایک دوسرے پر سبقت حاصل کرنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے۔ اس دوڑ میں وہ اپنے بھائیوں کے حقوق کے اتلاف کی بھی پروا نہیں کرتا۔ قدرت نے اسے توانائیوں کے جو بیش بہا خزانے کسی اور مقصد کے لئے عطا کئے ہیں وہ انہیں ہوس زر میں صرف کر دیتا ہے۔

انسان کہتا ہے جو کچھ میں کماتا ہوں وہ میرے دست و بازو کی قوت پر منحصر ہے، اس لئے میں جس طرح چاہوں اسے خرچ کروں۔ کوئی مجھے روکنے والا نہیں ہے اور یہی وہ طرز فکر ہے جو آدمی کے اندر سرکشی اور بغاوت کی تخم ریزی کرتی ہے۔ جب یہ سرکشی تناور درخت بن جاتی ہے تو اللہ سے اس کا ذہنی رشتہ ٹوٹ جاتا ہے۔ اور آدمی کا شمار ذریت قارون میں ہونے لگتا ہے۔

انفرادی حدود میں دولت پرستی کی بیماری آدمی کی انا اور اس کی ذات سے گھن بن کر چپک جاتی ہے۔ اس کی انسانی صفات کو چاٹتی رہتی ہے اور خالق کی عطا کی ہوئی صلاحیتوں کو زنگ آلود کر دیتی ہے۔ آدمی کے باطن میں ایک شیطانی وجود پرورش پانے لگتا ہے جو لمحہ بہ لمحہ بڑا ہو کر اس کی ذات کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔ آدمی کی بہترین تخلیقی صلاحیتیں دولت کی حفاظت میں صرف ہو جاتی ہیں۔ اگر دولت پرستی کا مرض معاشرہ میں پھیل جائے تو قوم کے افراد ایک دوسرے کے حق میں بھیڑیئے بن جاتے ہیں۔

دولت کے دو رخ

دولت کے دو رخ ہیں۔ دولت کا ایک رخ تو یہ ہے کہ انسان کو دولت عذاب بن کر، جہنم بن کر خاکستر کر دیتی ہے۔ دولت کا دوسرا روپ یہ ہے کہ دل و دماغ رنگینیوں، رعنائیوں، قناعت، مسرت اور شادمانیوں سے معمور ہو جاتا ہے۔ اس روپ کا دولت مند بیواؤں اور یتیموں کے لئے پناہ گاہیں تعمیر کرتا ہے، سینکڑوں بپتاؤں اور مصیبتوں کے مارے ہوئے لوگوں کے لئے نجات ذریعہ بن جاتا ہے۔ وہ حیوان محض بن کر زندہ نہیں رہتا۔ دل کی دنیا میں جگ مگ روشن قمقمے سجا کر دل کی دنیا کو آباد کر لیتا ہے۔ وہ عقل کے لحاظ سے احمق اور آنکھوں کے لحاظ سے اندھا نہیں ہوتا۔ حیوانیت سے دور ہوتا ہے اور اس عادت کو اپنا لیتا ہے جو عادت اللہ رب العالمین رازق کی ہے۔

قانون قدرت سرمایہ پرستی اور لالچ کو کبھی پسند نہیں کرتا۔ وہ ایسی قوموں کو غلامی، ذلت اور افلاس کے عمیق غار میں دھکیل دیتا ہے۔

قرآن پاک سرمایہ پرستوں کے اس اولین دعوے پر کاری ضرب لگاتا ہے کہ ان کی کمائی اور ان کی دولت ان کی ہنر مندی کا نتیجہ ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ تمہارا یہ خیال کہ رزق کا حصول اور اس کی پیدائش تمہارے زور بازو کا نتیجہ ہے، ایک خام خیال ہے۔ فطرت کے قوانین اور اس کے وسائل خود تمہارے لئے مسلسل رزق کی بہم رسانی میں مصروف ہیں۔ سمندروں سے پانی بخارات کی شکل میں زمین پر برستا ہے اور زمین کی مردہ صلاحیتوں میں جان ڈال کر اسے وسائل کی تخلیق کے قابل بنا دیتا ہے۔ زمین طرح طرح کی پیداوار کو جنم دے کر انسان کی پرورش کرتی ہے اور اس کی زندگی کے قیام کے وسائل فراہم کرتی ہے۔ ہوا، سورج اور بہت سے دوسرے عوامل اس دوران فصلوں کو بار آور کرنے میں سرگرم رہتے ہیں۔ اور بلا معاوضہ آدمی کی خدمت کرتے ہیں۔ رزق اور وسائل کے حصول اور عمل میں انسان کی کوشش صرف ہاتھ بڑھا کر روزی حاصل کر لینا ہے۔

www.ksars.org

تم نیکی اور اچھائی کو نہیں پاسکتے جب تک کہ وہ چیز اللہ کی راہ میں نہ دے دو جو تمہیں عزیز ہے۔''

اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی حد کو وسیع کرتے ہوئے کہا گیا کہ

''اے نبی ﷺ! وہ تم سے پوچھتے ہیں کہ اللہ کی راہ میں کیا خرچ کریں۔ کہہ دو کہ اپنی ضرورت سے زائد۔''

ان احکام خداوندی کو سامنے رکھتے ہوئے اللہ کی مخلوق کی خدمت کے لئے زیادہ سے زیادہ خرچ کیجئے معذور لوگوں کے لئے پناہ گاہ بنوایئے یتیم اور لاوارث بچوں کے لئے اسکول کھولئے نادار بچیوں کی شادی کرایئے، بیواؤں کی مدد کیجئے بے ہنر بچوں کو ہنر سکھایئے اور اجتماعی اور انفرادی طور پر لوگوں کو علم سکھایئے یہ کام سب سے پہلے اپنے مستحق رشتہ داروں سے شروع کیجئے اور پھر اس میں دوسرے ضرورت مندوں کو بھی شامل کر لیجئے۔

یاد رکھیئے! جو کچھ آپ اللہ کے لئے خرچ کریں وہ محض اللہ کی خوشنودی کے لئے ہو۔ اس میں کوئی غرض، بدلہ یا شہرت کا حصول پیش نظر نہ ہو۔

ضرورت مندوں کی امداد پوشیدہ طریقے سے کریں تاکہ آپ کے اندر بڑائی یا نیکی کا غرور پیدا نہ ہو۔ اور نہ ان کی عزت نفس مجروح ہو۔ کسی کو کچھ دے کر احسان نہ جتائیں اور نہ نمود و نمائش کا اظہار کریں۔

آپ کے پاس جو کچھ ہے وہ اللہ کا دیا ہوا ہے۔ اللہ کی دی ہوئی دولت کو دوسروں پر خرچ کرنے کے بعد غریبوں کی خودداری کو ٹھیس لگانا اور ان سے اپنی برتری تسلیم کرانا، احسان جتا کر ٹوٹے ہوئے دلوں کو دکھانا بدترین گھناؤنے جذبات ہیں۔ وہ اللہ جس نے آپ کو اس قابل بنایا کہ آپ دوسروں کی مدد کریں، فرماتا ہے:

''مومنو! اپنے صدقات اور خیرات کو احسان جتا جتا کر اور غریبوں کا دل دکھا کر اس آدمی کی طرح خاک میں نہ ملا دو جو محض لوگوں کو دکھانے کے لئے خرچ کرتا ہے۔''

اس انعام کا شکر ادا کرنے کے لئے کہ خدا نے اپنے فضل و کرم سے ہمیں آسانی اور سہولت دی ہے اور ہمیں دنیاوی آسائشیں عطا کی ہیں،

کبھی کبھی اپنے بچوں کے ہاتھ سے غریبوں اور مساکین کو کھانا، پیسہ اور کپڑا وغیرہ بھی دلوایئے تاکہ ان کے اندر غریبوں کے ساتھ سلوک، سخاوت و خیرات کا جذبہ پیدا ہو۔ ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایئے۔ ان کے منہ میں نوالے دیجئے۔ ان سے بھی کہئے کہ وہ اپنے بہن بھائیوں کو اپنے ہاتھ سے کھلائیں۔ اس عمل سے حقوق العباد کا احساس اور انصاف کے تقاضے اپنی پوری رعنائیوں کے ساتھ قالب انسان میں نمو پاتے ہیں۔

گرم لہریں

اللہ کی مخلوق کی ذہنی تربیت اس نہج پر کریں کہ ان کے اندر آپس میں بھائی چارہ ہو، ایثار ہو، خلوص ہو اور وہ ایک دوسرے سے محبت کریں۔

جس معاشرے میں محبت کا پہلو نمایاں ہوتا ہے وہ معاشرہ ہمیشہ پُر سکون رہتا ہے اور جس معاشرے میں بیگانگی اور نفرت کا پہلو نمایاں ہوتا ہے اس معاشرے کے افراد ذہنی خلفشار اور عدم تحفظ کے احساس میں مبتلا رہتے ہیں۔

محبت سراپا اخلاص ہے، نفرت مجسم غیظ و غضب اور انتقام کے خدوخال پر مشتمل ہے۔ غصہ بھی نفرت کی ایک شکل ہے۔ قرآن پاک جس ارشاد ہے ''جو لوگ غصہ کو کھاتے ہیں اور لوگوں کو معاف کر دیتے ہیں، اللہ ایسے احسان کرنے والے بندوں سے محبت

www.ksars.org

کرتا ہے۔'' نفرت کا ایک پہلو تعصّب بھی ہے۔ رسول اللہ علیہ والہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص تعصّب پر جیا اور مرا وہ مجھ سے نہیں ہے۔ تعصّب کرنے والا بندہ رسول اللہ (ﷺ) کی شفاعت سے محروم رہتا ہے۔

محبت کیوں کہ پر سکون زندگی اور اطمینان قلب کا ایک ذریعہ ہے اس لئے کوئی انسان جس کے اندر محبت کی لطیف لہریں دور کرتی ہیں وہ مصائب و مشکلات اور پیچیدہ بیماریوں سے محفوظ رہتا ہے۔ اور اس کے چہرے میں ایک خاص کشش پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کے برعکس نفرت کی کثیف، شدید اور گرم لہریں انسانی چہرہ کو جھلس دیتی ہیں اور بچہ اس کے دماغ کو اتنا بوجھل اور تاریک کر دیتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ودیعت کردہ زندگی میں کام آنے والی لہریں مسموم اور زہریلی ہو جاتی ہیں اس زہر سے انسان طرح طرح کے مسائل اور قسم قسم کی بیماریوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

نفسیات داں یہ بات جانتے ہیں کہ ہر انسان روشنیوں سے مرکب ہے اور روشنی کی یہ لہریں انسان کے اندر سے غیر محسوس طریقے پر نکلتی رہتی ہیں۔ کوئی چہرہ ہمارے سامنے ایسا آتا ہے کہ ہم اس چہرہ کو دیکھ کر خوش ہو جاتے ہیں اور کوئی چہرہ ہمارے سامنے ایسا بھی آتا ہے کہ ہم اس چہرے میں سے نکلنے والی لہروں سے بیزار ہو جاتے ہیں۔

جن لوگوں کے دل اللہ کے نور سے معمور ہوتے ہیں اور جن لوگوں کے دماغ میں خلوص، ایثار، محبت، پاکیزگی اور خدمت خلق کا جذبہ ہوتا ہے ایسے لوگوں کے چہرے بھی خوش نما، معصوم اور پاکیزہ ہوتے ہیں۔ ان چہروں میں ایسی مقناطیسیت ہوتی ہے کہ ہر شخص ان سے قریب ہونا چاہتا ہے۔ اس کے برعکس ایسے لوگ جو تکبر، نفرت یا احساس گناہ اور اضطراب میں مبتلا ہیں، ان کے چہروں پر خشونت، خشکی، یبوست، بے آہنگی اور کراہت کے تاثرات پیدا ہو جاتے ہیں اور یہ تاثرات دوسرے آدمی کے دل میں دور رہنے کا تقاضا پیدا کرتے ہیں۔ قانون فطرت یہ ہے کہ انسان کے ہر عمل کی فلم بنتی رہتی ہے اور ہر آدمی کی اپنی اس فلم کے لئے اس کا اپنا چہرہ اسکرین ہے۔ کراماً کاتبین کی بنائی ہوئی فلم انسانی چہرے پر چلتی رہتی ہے۔

حقوق العباد

قرآن پاک نے ہم پر حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد یعنی بندوں کے حقوق پورا کرنا لازم و ملزوم کر دیا ہے اور اس کی بہت تاکید کی ہے۔

حقوق العباد کی ادائیگی رشتہ داروں سے شروع ہوتی ہے جن میں والدین سب سے پہلے مستحق ہیں۔ ماں باپ کی خدمت اور ان کی اطاعت اولین فریضہ ہے۔ اہل و عیال کے لئے حلال رزق کا حصول اور بچوں کی اچھی تعلیم و تربیت بھی حقوق العباد میں سے ہے۔ اس کے بعد دوسرے رشتہ داروں اور پڑوسیوں کا نمبر آتا ہے۔ آخر میں تمام انسان حقوق العباد کے دائرۂ کار میں آتے ہیں۔

حقوق العباد میں مالی حق بھی ہے اور اخلاقی حق بھی۔ قرآن پاک نے جابجا اس کی حدود بیان کی ہیں اور اس کو ایمان کا جزو قرار دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"نیکی یہ نہیں ہے کہ تم اپنا منہ مشرق اور مغرب کی طرف کر لو لیکن نیکی یہ ہے کہ کوئی شخص ایمان لائے اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور آسمانی کتابوں پر اور نبیوں پر اور مال دیتا ہو اللہ کی محبت میں رشتہ داروں کو اور یتیموں کو اور مسکینوں کو اور مسافروں کو اور سوال کرنے والوں کو اور گردن چھڑانے میں۔ (البقرہ)

اگر ہم اس پوزیشن میں نہ ہوں کہ مالی لحاظ سے کسی کی مدد کر سکیں تو خدمت کے اور بھی ذرائع ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں مختلف صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ ہم ان صلاحیتوں سے لوگوں کی خدمت کریں۔

www.ksars.org

اگر ہم کسی کے لئے اچھائی نہیں کر سکتے تو اس کے لئے برائی کے مرتکب بھی نہ ہوں۔ خیر خواہی کے لئے محض مالی حالت کا اچھا ہونا ضروری نہیں ہے۔ لوگوں سے خوش اخلاقی سے پیش آنا، سلام میں پہل کرنا، کسی کی غیبت نہ کرنا اور نہ سننا، اللہ کی مخلوق سے حسن ظن رکھنا، لوگوں کے چھوٹے موٹے کام کر دینا، کسی ضعیف یا بیمار کو سڑک پار کرا دینا، بیمار کی مزاج پرسی کرنا، سڑک پر پڑے ہوئے پتھر یا کانٹوں کو راہ سے ہٹا دینا ہے علم کو علم سکھانا حقوق العباد کے زمرے میں آتے ہیں۔

دنیا کا ہر آدم زاد آپ کا بھائی ہے۔ میں آپ کا بھائی ہوں، آپ میرے بھائی ہیں، وہ میری بہن ہے، میں اس کا بھائی ہوں۔ ان سب بہن بھائیوں میں من حیث القوم پہلے قرابت داروں کا حق زیادہ ہوتا ہے لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ ہمارے اوپر نوع انسانی کے حقوق عائد نہیں ہوتے۔ کنبہ، برادری، ملک و قوم اپنی جگہ ہر آدم زاد کا دوسرے آدم زاد پر حق ہے اور وہ حق یہ ہے کہ ایک باپ آدم اور ایک ماں حوا کے رشتے سے ہم اپنے بھائیوں اور بہنوں کو خواہ وہ کسی علاقے کا ہو، کسی رنگ اور نسل کا ہو، وہ کوئی بھی زبان بولتا ہو، آپ کا اس سے تعارف ہو یا نہ ہو آپ اس کے ساتھ خلوص اور محبت کا اظہار کریں اس کو بتائیں کہ مادی جسم عارضی ہے اس میں اپنی ذاتی کوئی حرکت نہیں ہے اصل انسان اس کی روح ہے اور جسمانی تمام حرکات روح کے تابع ہیں روح جسم سے نکل جاتی ہے تو مادی وجود کی کوئی حیثیت نہیں رہتی۔

ماورائی کیمرہ

طرز گفتگو میں آدمی کی شخصیت کا عکس جھلکتا ہے۔ خوش آواز آدمی کے لئے اس کی آواز تسخیر کا کام کرتی ہے۔ جب بھی کسی مجلس میں یا نجی محفل میں وقار اور سنجیدگی کے ساتھ گفتگو کیجئے۔ یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہنی چاہئے کہ ہماری زبان سے نکلا ہوا ہر لفظ ریکارڈ ہوتا ہے۔ آدمی جو بات بھی منہ سے بولتا ہے فرشتے اسے ماورائی کیمرے میں محفوظ کر لیتے ہیں۔

مسکراتے ہوئے، نرمی کے ساتھ، میٹھے لہجے اور درمیانی آواز میں بات کرنے والے لوگوں کو اللہ کی مخلوق عزیز رکھتی ہے۔ چیخ کر بولنے سے اعصاب میں کھنچاؤ پیدا ہوتا ہے اور اعصابی کھنچاؤ سے بالآخر آدمی دماغی امراض میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ مخاطب یہ سمجھتا ہے کہ میرے اوپر رعب ڈالا جا رہا ہے اور وہ اس طرز کلام سے بددل اور دور ہو جاتا ہے، اس کے اندر خلوص اور محبت کے جذبات سرد پڑ جاتے ہیں۔

شیریں مقال آدمی خود بھی اپنی آواز سے لطف اندوز اور سرشار ہوتا ہے اور دوسرے بھی مسرور و شاداں ہوتے ہیں۔ اچھی، میٹھی اور مسحور کن آواز سے اللہ میاں بھی خوش ہوتے ہیں۔

دعا

تمام لوگوں میں خدا کے نزدیک زیادہ محبوب وہ آدمی ہے جو انسانوں کو زیادہ سے زیادہ نفع پہنچائے۔ اور نفع پہنچانے والا کوئی بندہ بلا تخصیص مرد و عورت نوع انسانی کا دوست ہوتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کا دیدار ہوا خدا نے اپنے پیارے نبی سے کہا "مانگیئے"

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ دعا مانگی۔

اے خدا! میں تجھ سے نیک کاموں کی توفیق چاہتا ہوں اور بُرے کاموں سے بچنے کی قوت چاہتا ہوں اور مسکینوں کی محبت چاہتا ہوں اور یہ کہ تو میری مغفرت فرمائے اور مجھ پر رحم فرمائے اور جب تو کسی قوم کو عذاب میں مبتلا کرنا چاہے تو مجھے اس حال میں اٹھا لے

www.ksars.org

کہ میں اس سے محفوظ رہوں اور میں تجھ سے تیری محبت کا سوال کرتا ہوں اور اس شخص کی محبت کا سوال کرتا ہوں جو تجھ سے محبت کرتا ہے اور اس عمل کی توفیق چاہتا ہوں جو تیرے قُرب کا ذریعہ ہو۔

www.ksars.org

قرآن علوم ظاہری و باطنی کا ماخذ و منبع ہے

حضرت داؤدعلیہ السلام

حضرت داؤد علیہ السلام حضرت یعقوب کے پوتے تھے آپؑ یروشلم کے ایک گاؤں بیت اللحم میں رہتے تھے۔ آٹھ بھائیوں میں سب سے چھوٹے بھائی تھے۔ بھیڑ بکریاں چراتے تھے۔ رنگ انار کی طرح سرخ تھا۔ آنکھیں گول تھیں، چہرے پر ہلکی خشخشی داڑھی تھی۔ قد چھوٹا تھا لیکن نہایت وجیہہ تھے۔ بہادر اور طاقت ور تھے۔ جوانمردی کا یہ عالم تھا کہ شیر یا بھیڑیا اگر بکریوں اور بھیڑیوں کے ریوڑ پر حملہ آور ہوتا تو آپ اسے مار ڈالتے تھے۔ حضرت داؤد علیہ السلام فلاخن (سنگریزوں سے بھری ہوئی تھیلیاں پھینکنے کا آلہ) چلانے میں ماہر تھے۔ فلاخن اور عصا ہر وقت ہاتھ میں رہتا تھا۔ فلاخن چلانے میں حضرت داؤد علیہ السلام کی مہارت کا چرچا عام تھا۔ فلاخن اتنی طاقت سے پھینکتے کہ جس چیز پر بھی گرتا تھا، ریزہ ریزہ ہو جاتی تھی۔ گفتگو نہایت شیریں تھی۔ مہذب اور باادب تھے۔ پورے علاقے میں آپ کی قدر و منزلت تھی۔ بانسری اور بربط بجانے میں آپ کو کمال حاصل تھا۔ حضرت طالوتؑ کے دربار تک آپ کی رسائی تھی۔ آپ نے عبرانی موسیقی، مصری اور بابلی مزامیر (بانسریاں، مطربوں کے ہر قسم کے ساز) کو ترقی دے کر نئے نئے آلات ایجاد کئے تھے۔

حضرت طالوتؑ کے دربار تک آپؑ کی رسائی تھی حضرت سموئیلؑ کو عمر کے آخری حصے میں وحی کے ذریعے حضرت داؤد علیہ السلام کی نبوت اور بادشاہت کی اطلاع دے دی گئی تھی۔ حضرت سموئیلؑ بیت لحم تشریف لائے اور حضرت داؤد علیہ السلام سے ملاقات کر کے انہیں خیر و برکت کی دعا دی۔

پتھروں کی زبان

ایک روز حضرت داؤد علیہ السلام جنگل میں سے گزر رہے تھے کہ راستے میں پڑے ہوئے ایک پتھر نے مخاطب کر کے کہا ''''میں حجر موسیٰؑ ہوں، مجھے اٹھا لیجئے۔ میں وہی پتھر ہوں جس سے حضرت موسیٰؑ نے فلاں دشمن کو ہلاک کیا تھا۔'' آپ نے پتھر اٹھا کر اپنے تھیلے میں رکھ لیا۔ کچھ فاصلہ طے کیا تھا کہ ایک اور پتھر بولا ''! میں حجر ہارونؑ ہوں۔'' آپ نے اسے بھی اپنے تھیلے میں رکھ لیا۔ تھوڑی دور جانے کے بعد ایک پتھر اور ملا اس پتھر نے کہا ''! میں حجر داؤدؑ ہوں۔ جو خدا کے نبی ہیں اور میرے ذریعے جالوت کو ماریں گے۔ آپؑ نے یہ پتھر بھی اٹھا کر تھیلے میں رکھ لیا تینوں پتھر تھیلے میں جا کر ایک ہو گئے۔

سپہ سالار جالوت

حضرت طالوتؑ اور جالوت کی کثیر التعداد فوج کا جب آمنا سامنا ہوا تو فوج کا سپہ سالار جالوت زرہ اور خَود پہن کر میدان میں اترا اور مبازرت کے لئے للکارا۔ جالوت کا قد چھ ہاتھ ایک بالشت (*توراۃ میں ۶ ہاتھ کا مطلب ۹ فٹ ایک بالشت ہے) تھا۔ ایک بالشت تھا۔ جو زرہ پہنی ہوئی تھی اس کا وزن پانچ ہزار مثقال (ایک مثقال برابر ہے ۴۱۲ء۴ ماشہ۔ جبکہ ایک تولہ میں ۱۲ ماشہ ہوتے ہیں۔ اس حساب سے ۵۰۰۰ مثقال وزن ۱۸۷۵ تولے یا ۲۱۰۰ کلو گرام کے برابر ہے) تھا۔ ٹانگوں پر پیتل کے سات پوش (*موزے۔ پیر سے گھٹنوں تک پیتل کے موزے رکھے ہوئے ہیں۔ اس زمانے کے لوگوں کی قوت کا اندازہ یہ لباس دیکھنے سے ہوتا ہے۔ سیروں وزن کے لباس

www.ksars.org

پہن کر میدان میں داد شجاعت دیتے تھے) اور دونوں شانوں کے درمیان پیتل کی برچھی تھی۔ بھالے لوہے کی شہتیر کی مانند تھے اور نیزے کا پھل چھ سو مثقال لوہے کا تھا جسے ایک سپاہی جالوت کے آگے آگے لے کر چلتا تھا۔

میدان جنگ میں جالوت للکارا۔ آواز اتنی رعب دار تھی کہ میدان میں گونج پیدا ہو گئی۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے حضرت طالوتؑ سے اجازت طلب کی اور میدان میں آ گئے۔ آپؑ کے ہاتھ میں نہ تلوار تھی نہ برچھی۔ ایک ہاتھ میں بکریوں کو سنبھالنے کے لئے لاٹھی تھی اور دوسرے ہاتھ میں فلاخن اور کندے پر سنگریزوں سے بھرا ہوا تھیلا لٹک رہا تھا۔ نو عمر اور قد و قامت میں کم نوجوان کو دیکھ کر جالوت نے قہقہہ لگایا اور تمسخر سے بولا "کیا تم مجھے کتا سمجھ کر ڈنڈے سے بھگانے آئے ہو۔"

حضرت داؤد علیہ السلام نے تھیلے میں سے پتھر نکالا اور فلاخن میں رکھ کر جالوت کی طرف پھینکا۔ فلاخن میں سے نکلا ہوا پتھر ماتھے کی ہڈی کو توڑ کر کھوپڑی میں گھس گیا۔ کبر و نخوت کا پتلا، دیوہیکل جالوت منہ کے بل زمین پر گر پڑا۔ حضرت داؤد علیہ السلام آگے بڑھے اور اسی کی تلوار سے اس کا سر قلم کر دیا۔ فلسطینی فوج اپنے سردار کا کٹا ہوا سر دیکھ کر سراسیمہ ہو گئی۔ بنی اسرائیل کی فوج نے حواس باختہ دشمن پر حملہ کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے ایک بار پھر بنی اسرائیل کو فتح سے نوازا۔

اس شجاعت، بہادری اور جوانمردی کی وجہ سے حضرت داؤد علیہ السلام کو بنی اسرائیل میں انتہائی مقبولیت حاصل ہوئی۔ حضرت طالوتؑ نے اپنی بیٹی عینیاہ کی شادی حضرت داؤدؑ سے کر دی۔ اور ایک ہزار فوجی جوانوں کا دستہ آپ کی کمان میں دیدیا۔

"اے داؤد! ہم نے کیا تجھ کو نائب ملک میں، سو تو حکومت کر لوگوں میں انصاف سے اور خواہش کی پیروی نہ کر کہ تجھ کو بھٹکا دے اللہ کی راہ سے، جو لوگ اللہ کی راہ سے بھٹکتے ہیں ان کو سخت عذاب ہے کہ انہوں نے حساب کے دن کو بھلا دیا۔' (سورۃ ص۔۲۶)

حضرت طالوتؑ کی وفات کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام مقام نبوت سے سرفراز ہوئے۔ حضرت داؤد علیہ السلام ان نبیوں میں سے تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے نبوت کے ساتھ ساتھ بادشاہی بھی عطا کی تھی۔

فکر و تدبر اور علم و حکمت

حضرت داؤد علیہ السلام کی شجاعت، علم و حکمت اور فکر و تدبیر کی بدولت بنی اسرائیل کا شمار جلد ہی دنیا کی مہذب اقوام میں ہونے لگا۔ بہت سے علاقے بھی بنی اسرائیل کے زیر تسلط آ گئے اور ایک عالیشان سلطنت وجود میں آ گئی۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے شرعی حدود جاری کیں۔ کافروں اور مشرکوں سے جہاد کیا بنی اسرائیل کے مختلف قبائل میں باہم ربط و تعلق استوار کیا، بندگان خدا کو نیکی کی تلقین کی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کمال درجے کا فہم و ادراک اور عقل و دانش عطا فرمائی تھی۔

"اور ہم نے ان کی سلطنت کو مستحکم کیا اور ان کو حکمت عطا کی اور بات کا فیصلہ کرنا سکھایا۔" (ص۔۲۰)

حضرت داؤد علیہ السلام کے معمولات میں شامل تھا کہ آپ ایک روز روزہ رکھتے تھے اور ایک روز ناغہ کرتے تھے اور تہائی رات میں عبادت کے لئے اٹھتے تھے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کو زبور عطا ہوئی۔ زبور پانچ کتابوں پر مشتمل ہے ہر کتاب میں متعدد "مرموز" ہیں۔ ہر مرموز یا حصہ اللہ کریم کی حمد و ستائش، عاجزی اور دنیا و آخرت میں بھلائی اور اللہ کی پناہ مانگنے کی دعاؤں پر مشتمل ہے۔ حوادث زمانہ سے زبور بھی متاثر ہوئی زبور اپنی اصل صورت میں محفوظ نہیں ہے۔

حضرت داؤدؑ بہت خوش الحان تھے۔ جب آپ لحن کے ساتھ زبور کی تلاوت کرتے تھے تو چلتا پانی ٹھہر جاتا تھا۔ اڑتے ہوئے پرندے آپ کے قریب آ کر بیٹھ جاتے تھے۔ پہاڑ اور چرند پرند آپؑ کے ساتھ اللہ کی حمد و ثنا اور تسبیح کرتے تھے۔

www.ksars.org

''ہم نے تابع کئے پہاڑ، اس کے ساتھ پاکی بولتے شام کو اور صبح کو اور اڑتے جاندار جمع ہو کر، سب تھے اس کے آگے رجوع رہتے۔''

(سورۃ ص: ۱۹۔۱۸)

حکمت

آوازیں ہماری زندگی کا حصہ ہیں۔ آواز آپس میں رابطے کا ذریعہ اور معلومات کے تبادلے کا ایک طریقہ ہے۔ آواز کی بدولت ہم بہت ساری چیزوں کو جانتے ہیں اور بہت سی باتوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ درختوں میں بیٹھی ہوئی چڑیوں کی چہکار، ہوا کی سائیں سائیں، کوؤں کا کائیں کائیں کرنا، کوئل کی کوک، بلبل کا ترانہ، پنگوڑے میں کھیلتے بچوں کی کلکاریاں، گلی میں پھیری والے کی صدا، کارخانوں میں متحرک مشینوں کی گڑگڑاہٹ، ہوائی جہازوں کا شور اور لاتعداد دوسری آوازیں ہماری سماعت سے ٹکراتی رہتی ہیں بہت سی آوازیں ایسی بھی ہیں جو ہمیں سنائی نہیں دیتیں۔ یہ آوازیں ہماری سماعت سے تو ٹکراتی ہیں مگر ہمارے کان انہیں نہیں سنتے ان آوازوں کی طول موج ہماری عام سماعت سے زیادہ یا کم ہوتا ہے۔

سائنس نے انکشاف کیا ہے کہ انسان کی سماعت کا دائرہ، بیس ہرٹز سے بیس ہزار ہرٹز فریکوئنسی تک محدود ہے۔ جبکہ ورائے صوت موجوں کی فریکوئنسی بیس ہزار ہرٹز سے دو کروڑ ہرٹز تک ہو سکتی ہے۔ اس لئے ہم ان آوازوں کو سن نہیں سکتے۔ موج مخصوص فاصلے کو اوپر نیچے حرکت کرتے ہوئے طے کرتی ہے۔ یہ اس کا طول موج کہلاتا ہے۔ طول موج میں ایک حرکت اوپر کی طرف ہوتی ہے اور ایک حرکت نیچے کی جانب ہوتی ہے۔ ایک مرتبہ اوپر اور ایک مرتبہ نیچے دونوں حرکتیں مل کر ایک چکر (Cycle) پورا کرتی ہیں اور ایک سیکنڈ میں کسی موج کے جتنے سائیکل گزر جاتے ہیں وہ موج کی فریکوئنسی کہلاتی ہے۔ طول موج زیادہ ہو تو فریکوئنسی کم ہوتی ہے۔ جبکہ طول موج کم ہونے کی صورت میں فریکوئنسی زیادہ ہوتی ہے۔ فریکوئنسی اگر بہت بڑھ جائے تو لہریں یا موجیں شعاعیں بن جاتی ہیں۔ جو سیدھی چلتی ہیں۔ کم طول موج اور زیادہ فریکوئنسی ہونے کی وجہ سے ان لہروں کی کسی چیز میں سے گزر جانے کی صلاحیت بڑھ جاتی ہے۔

پیچیدہ امراض کی تشخیص و علاج، صنعت و حرفت اور تحقیق و تلاش کے لئے الٹرا ساؤنڈ ویوز کا استعمال اب عام ہو گیا ہے۔ صدائے بازگشت کے اصول اور آواز کے ارتعاش کی بنیاد پر یہ لہریں کام کرتی ہیں۔ یہ مادے کی مختلف حالتوں کے درمیان مادے میں امتیاز کر سکتی ہیں۔

قرآن کریم میں کئی جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہر چیز ہماری حمد و ثناء بیان کرتی ہے یعنی کائنات میں موجود ہر شئے بولتی، سنتی اور ایک دوسرے کو پہچانتی ہے۔

''ساتواں آسمان اور زمین اور وہ ساری چیزیں اللہ کی عظمت بیان کر رہی ہیں جو آسمان اور زمین میں ہیں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو اس کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح نہ کر رہی ہو، مگر تم ان کی تسبیح کو سمجھتے نہیں ہو۔''(سورۃ بنی اسرائیل۔۴۴)

پرندوں اور پہاڑوں کا حضرت داؤد علیہ السلام کے ہمراہ کی تسبیح کرنے کی توجیہہ بیان کرتے ہوئے شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ قوی ہمت والا نفس جب کسی کیفیت سے بھر جاتا ہے تو اس کے قریب رہنے والے نفوس اور ان کی طبیعت میں بھی اس کی کیفیت سرائیت کر جاتی ہے اور جب قوی ہمت کسی پتھر یا درخت سے وقت کے موافق کوئی معرفت سنتا ہے تو اس کی قوت دوسرے لوگوں میں بھی سرایت کرتی ہے اور پھر وہ بھی اسی طرح سنتے ہیں جس طرح اس نے سنا تھا۔

www.ksars.org

"اور ہم نے دی داؤد کو اپنی طرف سے بڑائی، اے پہاڑو پڑھو اس کے ساتھ اور اڑتے پرندو۔ اور نرم کر دیا ہم نے اس کے آگے لوہا کہ بنائے کشادہ زرہیں اور اندازے سے جوڑ کر کڑیاں، اور کرو تم سب سے کام بھلا میں جو کچھ کرتے ہو دیکھتا ہوں۔" (سورۃ سبا: ۱۰۔۱۱)

لوہے سے ایجادات کا ظہور

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤدؑ کو لوہے کے استعمال پر قدرت عطا فرمائی تھی اور آپ لوہے کو ہاتھوں کے ذریعے ڈھالنے پر ملکہ رکھتے تھے۔ آثار قدیمہ سے پتہ چلتا ہے کہ لوہے کا باقاعدہ استعمال پہلے پہل ۱۰۰۰ ق م سے ۱۲۰۰ ق م میں ہوا اور یہ حضرت داؤدؑ کے دور کا زمانہ ہے۔ آپ کے زمانے میں لوہے کو پگھلانے اور اس سے چیزیں تیار کرنے کے طریقے دریافت ہو چکے تھے لیکن وہ اتنے پیچیدہ تھے کہ ان سے تیار کی جانے والی اشیاء بہت قیمتی تصور کی جاتی تھیں۔ حضرت داؤدؑ نے آہن سازی کے نئے طریقوں کو فروغ دیا جس کی بدولت لوہے کا استعمال عام ہو گیا اور اس تحقیق کی بدولت آپ کی قوم کو جنگوں میں بھی برتری حاصل ہونے لگی۔ کیونکہ اس زمانے میں جنگ کے دوران حفاظت کا سب سے موثر ذریعہ زرہیں (آہنی لباس) (آہنی ٹوپی) اور خود تھے۔ آپ نے آہن سازی کی صنعت کو عروج پر پہنچا دیا۔

موسیقی، ساز اور آواز میں خوبصورت آہنگ ہے۔ نئے سُر اور ساز تخلیق کرنا اس وقت ہی ممکن ہے جبکہ موسیقار ساز و آواز کے قوانین سے واقف اور ان پر عبور بھی رکھتا ہو۔ حضرت داؤدؑ خوش الحان تھے اور آوازوں کے علم کے ماہر تھے۔ ان صلاحیتوں کی بناء پر آپ نے عبرانی موسیقی کو نئے زاویے دیئے اور اس کے اصول مدون کئے۔ ساتھ ہی آپ نے مصری اور بابلی مزامیر پر تجربات کئے اور نئے آلات موسیقی ایجاد کئے۔

حضرت داؤدؑ ذکر الٰہی میں مشغول تھے کہ اندر کی آنکھ نے دیکھا کہ بیت المقدس پر ملائکہ اتر رہے ہیں۔ بیت المقدس جالوت نے منہدم کرا دیا تھا اور اس کا نام و نشان مٹ چکا تھا۔ آپ نے رب کریم کے حضور استدعا کی کہ بیت المقدس کی تعمیر کو ان کی نیکیوں میں سے ایک نیکی بنا دے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے دور میں لوگوں نے سنیچر کے دن کا احترام ترک کر دیا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے مطابق بنی اسرائیل کو سنیچر کے احترام کی تاکید کی گئی تھی، انہیں حکم تھا کہ ہفتہ کا دن عبادت کے لئے مخصوص ہے اس روز شکار نہ کریں اور دنیاوی مشاغل ترک کر دیں۔ شہر ایلہ میں آباد اسرائیلیوں نے یہ طریقہ اختیار کر رکھا تھا کہ جمعہ کے دن دریا کے کنارے بہت سے گڑھے کھود دیتے تھے اور نالیاں بنا کر دریا کا پانی گڑھوں میں جمع کر دیتے تھے۔ پانی کے ساتھ مچھلیاں بھی گڑھوں میں پہنچ جاتی تھیں جنہیں وہ اتوار کی صبح پکڑ لیتے۔ اس تدبیر سے بنی اسرائیل ہفتہ کے دن کے کاروباری نقصان کو پورا کر لیتے تھے۔

حضرت داؤدؑ نے انہیں اس عمل سے باز رہنے کی ہدایت کی لیکن بنی اسرائیل نے یہ وطیرہ ترک نہیں کیا۔ نافرمانی کی سزا کے طور پر ان کی شکلیں مسخ کر کے بندر بنا دیا گیا عقل و حواس تو قائم رہے لیکن قوت گویائی ختم ہو گئی۔ ان کے جسم سے بدبو کے بھبکے اٹھنے لگے اور تین روز تک روتے روتے ہلاک ہو گئے۔ ان کی تعداد تقریباً ستر ہزار بتائی جاتی ہے۔

"اور جان چکے ہو کہ جنہوں نے تم میں زیادتی کی ہفتے کے دن میں، تو ہم نے کہا ہو جاؤ بندر پھٹکارے ہوئے۔" (سورۃ البقرہ۔ ۶۵)

www.ksars.org

شاہ ولی اللہؒ کی تشریح

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے شکلیں مسخ ہونے کی تشریح اس طرح کی ہے کہ:

"مچھلی فاسد المزاج اور بدبودار ہوتی ہے۔ اللہ کے حکم کے خلاف، نافرمانی کر کے جب بنی اسرائیل اس کو کھاتے رہے تو ان میں فساد مزاج سرائیت کر گیا اور ان کے جسم مثالی میں بگاڑ پیدا ہو گیا۔ (اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے منع کرنے کے بعد حلال غذا حرام ہو گئی) حلال خوراک سے جو انرجی بنتی تھی اس میں تبدیلی آ گئی۔ یہ تبدیلی بڑھتے بڑھتے جب ایک حد کو پہنچ گئی تو ان کے جسموں پر بندروں کی طرح بال نکل آئے وہ بندر بن گئے اور ان پر ذلت ورسوائی مسلط ہو گئی۔

لیزر شعاعیں

حضرت داؤدؑ کے واقعہ میں تفکر موجودہ دور کی جدید ترین ایجاد "لیزر بیم" کے اسرار پر سے پردہ اٹھاتا ہے۔

روایت ہے کہ حضرت داؤدؑ ہاتھوں میں ایسی توانائی تھی کہ "لوہا" ان کے ہاتھوں میں موم کی طرح نرم ہو جاتا تھا۔ اور وہ بڑی آسانی سے لوہے کو ہاتھوں کی توانائی سے موڑ کر زرہ اور کڑیاں بنا کر زنجیر بنا لیتے تھے اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت داؤدؑ لیزر شعاعوں سے واقف تھے اس لئے جب وہ لیزر شعاعوں کا استعمال کرتے تھے تو سخت لوہا نرم ہو جاتا تھا اور وہ اس سے زرہ کڑیاں زنجیریں اور خود بنا لیتے تھے۔

اس بات کو سمجھنے کے لئے ہمیں یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ لیزر کیا ہے اور کس طرح کام کرتا ہے؟ لیزر واحد رنگ کی ایک طاقتور اور توانا ترین شعاع ہے جو کہ سخت سے سخت دھات کو لمحوں میں پگھلا سکتی ہے لفظ لیزر انگریزی جملے "لائٹ ایمپلی فیکیشن بائی اسٹی میو لیٹڈ ایمیشن آف ریڈی ایش کا مخفف ہے جس کا مطلب ہے توانا ترین شعاع افشانی کے ذریعے روشنی کا پھیلاؤ"۔

لیزر شعاع اور عام روشنی میں یہ فرق ہے کہ عام روشنی سات مختلف رنگوں سے مل کر بنی ہے لیکن لیزر یک رنگ شعاع ہے۔ عام روشنی کو منشور میں سے گزارا جائے تو وہ سات مختلف رنگوں میں تقسیم ہو جاتی ہے لیکن لیزر شعاع منشور میں سے گزرنے کے بعد بھی اپنے ایک رنگ میں برقرار رہتی ہے۔

عام روشنی کی بیم ۱۰۰۰ فٹ دور کسی دیوار پر ڈالی جائے تو روشنی تقریباً ۲۰۰ فٹ علاقہ میں پھیل جائے گی اور اس کی طاقت کم ہو جائے گی جبکہ لیزر شعاع کا پھیلاؤ کا قطر ڈایا میٹر زیادہ سے زیادہ آدھ یا ایک فٹ ہو گا اور اس کی طاقت بھی برقرار رہے گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عام روشنی میں شامل ہر رنگ کی لہر کا طول موج مختلف ہوتا ہے۔ جب ایک لہر کا فراز دوسری لہر کے نشیب سے ٹکراتا ہے تو وہ ایک دوسرے کو رد کر دیتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ روشنی اپنے منبع سے اخراج کے بعد مختلف سمتوں میں سفر شروع کر دیتی ہے۔ جبکہ لیزر شعاع میں لہروں کے نشیب و فراز یکساں ہوتے ہیں اس لئے یہ ایک دوسرے میں پیوست اور متحد رہتی ہیں اور ایک سیدھ میں طویل فاصلہ طے کر لیتی ہیں اور ہمیشہ یکساں حالت میں رہتی ہیں۔ لیزر کی کہانی تب شروع ہوئی جب طبیعات دان ایٹم کے راز فاش کر رہے تھے۔ 1920ء میں امریکی طبیعات داں ٹی ایچ مائی مین نے پہلا لیزر عملی طور پر بنایا اس نے مصنوعی یاقوت کی ایک سلنڈر نما سلاخ استعمال کی جس کے سروں کو کاٹ دیا گیا تھا اور پالش کر کے بالکل ہموار اور متوازی بنا لیا گیا تھا اس سے مختصر فاصلے تک جانے والی خالص سرخ روشنی کی لہریں خارج ہوئیں جن کی شدت سورج کی کرنوں سے ایک کروڑ گنا زیادہ بتائی جاتی ہے آج بھی سب سے طاقتور لیزر وہی ہے جس میں "یاقوت" استعمال کیا جائے۔

www.ksars.org

روبی لیزر (یاقوت والے لیزر) کے بعد 1920ء ہی میں گیس لیزر بنایا گیا اسے امریکا کی مشہور فرم بیل ٹیلی فون لیبارٹریز میں ڈی آر ہوریوٹ اے جیون اور ڈبلیو آر بینٹ نے بنایا گیس لیزر سے مسلسل شعاع حاصل ہونے کے باوجود اس کی طاقت روبی لیزر سے کم ہے جس کی شعاع غیر مسلسل ہے۔

لیزر اور اس کی کارکردگی سمجھنے سے پہلے ایٹم سے متعلق چند بنیادی معلومات کا ہونا ضروری ہے۔

یونانی زبان میں "ایٹم" کے معنی ہیں "نہ تقسیم ہونے والا" یونانی زبان میں ٹوم تقسیم کرنے کو کہتے ہیں، آریائی زبانوں میں "آ" نفی کا کلمہ ہے جس طرح ہندی زبان میں "اٹل" کے معنی "نہ ٹلنے والا" کے ہیں اسی طرح یونانی زبان ایٹم کے معنی "ناقابل تقسیم" کے ہیں۔

ایٹم کا نام یونان کے فلسفی دمقراط کا وضع کردہ اس کا نظریہ تھا کہ دنیا کی ہر شئے نہایت چھوٹے چھوٹے ناقابل تقسیم ذروں (ایٹموں) سے بنی ہے۔اس کے خیال میں ہر ایٹم کا سائز اہے لیکن وہ اتنا کم ہے کہ آنکھ سے دکھائی نہیں دے سکتا بعد کی تحقیق سے ثابت ہو گیا کہ ایٹم کا سائز ایک انچ کا ڈھائی کروڑواں حصہ (1,25,000,000) ہے گویا سوئی کی نوک پر ایٹم رکھے جا سکتے ہیں۔پنسلونیا یونیورسٹی مین چند سال پہلے ایک الیکٹرونک خوردبین کی مدد سے ایٹم کو 2,75,000 گنا زیادہ بڑا کر کے نہ صرف دیکھا گیا بلکہ ایٹم کے اولین فوٹو گراف بھی لیے گئے۔

دمقراط کے مطابق "ہلکی اشیاء کے ایٹم ہلکے اور بھاری اشیاء کے ایٹم بھاری ہوتے ہیں انسان تمام جانداروں کی روح بھی ایٹموں سے مرکب ہے۔روح کے ایٹم دیگر تمام اشیاء کے ایٹموں سے چھوٹے اور لطیف ہوتے ہیں۔موت کے بارے میں دمقراط کا خیال تھا کہ جب روح کے تمام ایٹم جسم سے نکل جاتے ہیں تو اس کی موت واقع ہو جاتی ہے۔

ایٹم کے جدید نظریہ برطانیہ کے ماہر طبیعات جان ڈالٹن نے 1808 میں پیش کیا ڈالٹن نے کہا کہ مادہ خواہ کسی بھی شکل میں ہو،ایٹموں سے بنتا ہے کسی عنصر کے تمام ایٹم سائز اور وزن میں ایک جیسے ہوتے ہیں اور جو خصوصیات کسی عنصر کی ہوتی ہیں وہی تمام خصوصیات ہو بہو اس کے ایٹم کی بھی ہوتی ہیں ایٹموں کی باہمی ترکیب اور اتحاد سے "سالمہ "بنتا ہے اگرچہ ایٹموں کے مختلف مرکبات سے مختلف اشیاء بنتی ہیں لیکن سالمے کے ایٹم کبھی تبدیل نہیں ہوتے ڈالٹن نے بتایا کے خاص اشیاء بنانے کیلئے ایٹم خاص مرکبات کی صورت یکجا اور متحد ہو جاتے ہیں مثال کے طور پر ہائیڈروجن کے دو ایٹم آکسیجن کے ایک ایٹم کے ساتھ مل کر پانی بناتے ہیں۔

برطانیہ کا مشہور طبیعات داں سرجے جے تھامس پہلا شخص تھا جس نے طویل تحقیقات کے بعد بتایا کہ ایٹم کے اندر برقی لحاظ سے مثبت میدان ہوتا ہے جس میں منفی الیکٹرون باہم گتھے ہوئے ہوتے ہیں "الیکٹرون" کی دریافت کا سہرا جے جے تھامسن ہی کے سر ہے۔

تھامس کے بعد لارڈ تھرفورڈ نے نظریہ پیش کیا کہ ایٹم میں انتہائی مضبوط مرکزہ یا نیوکلیس ہوتا ہے جس کے گرد بہت سے الیکٹران گردش کرتے ہیں "مرکزہ" مثبت برق دار ہوتا ہے اور ایٹم کی اصلیت و قوت اسی مرکزہ پر منحصر ہے رتھرفورڈ نے یہ بھی بتایا کہ ایٹم زیادہ تر کھوکھلا ہوتا ہے یا "خلا" پر مشتمل ہے۔

ایٹم کے مرکزے میں پروٹونز کی تعداد مرکزے کے گرد مدار میں موجود الیکٹرونز کی تعداد کے برابر ہوتی ہے ایٹم جتنا چھوٹا ہوتا ہے اس کے اندر "خالی پن" اتنا زیادہ ہوتا ہے۔

www.ksars.org

ایٹم کے اندر خلا کو سمجھنے کیلئے تخیلاتی طور پر اپنے ذہن میں ایٹم کے مرکزے کو ایک فٹ بال کے برابر تصور کرلیں اس تناسب سے الیکٹرون مرکزے سے ایک ایک میل کے فاصلے پر اپنے اپنے مدار پر گھومتے ہوئے ایک دائرہ بنا رہے ہوں گے اس دائرے کا قطر ایک سرے سے دوسرے سرے تک دو میل ہوگا اب پورے دائرے پر نظر ڈالیں، کتنی جگہ ٹھوس ہے اور کتنی جگہ خلاء ہے اس تخیلاتی ایٹم کی تمام کمیت جو کہ ایٹم کے وزن کی زمہ دار ہے اس کے مرکزے میں جمع الیکٹرون جو اس کے گرد فاصلے پر گھوم رہے ہیں فی الحقیقت بالکل بے وزن ہیں آسان اور سادہ ترین ایٹم ہائیڈروجن کا ہے جس کو بعض سائنسدان "بنیادی ایٹم" کہتے ہیں یہ سب سے ہلکا ہے اس کے مرکزے میں صرف ایک ذرہ پروٹون ہوتا ہے اور اس کے گرد صرف ایک الیکٹرون گھومتا ہے ایٹم کو سمجھنے کیلئے نظام شمسی سے تشبیہ دی جاسکتی ہے جس طرح نظام شمسی کا مرکز سورج ہے جس کے گرد سیارے اپنے اپنے مدار میں گھوم رہے ہیں اسی طرح ایٹم کے قلب میں مرکزہ ہے اور اس کے گرد الیکٹران سیاروں کی مانند اپنے مداروں میں گھوم رہے ہیں سوال یہ ہے کہ الیکٹرون مرکزے کے گرد کیوں گھومتے ہیں وہ کون سی قوت ہے جو الیکٹرونوں (سیاروں) کو مرکزے (سورج) کے گرد گھمائے رکھتی ہے۔؟

جواب یہ ہے کہ مثبت برق دار زرہ اس ذرے کیلئے زبردست کشش رکھتا ہے جو منفی برق دار ہے تمام الیکٹران منفی چارج کے حامل ہوتے ہیں مرکزے میں مثبت برق دار ذرہ پروٹون ہوتا ہے مثبت اور منفی کی باہمی کشش مرکزے اور الیکٹروں کو ایک دوسرے سے باہم مربوط و پیوست رکھتی ہے ایٹمی پیمانے کے دوسرے انتہائی سرے پر یورینیم کا ایٹم ہے جو تمام قدرتی عناصر میں سب سے بھاری ہے اس کے مرکزے کے گرد 92 الیکٹرون گھومتے ہیں۔

چونکہ ایٹم کا تمام تر وزن فی الحقیقت اس کے پروٹون میں ہوتا ہے اس لئے یہ فرض کیا گیا کہ ہیلئیم کے ایٹم کا وزن ہائیڈروجن کے ایٹم سے دگنا ہوگا ور لیتھیئم کے ایٹم کا وزن ہائیڈروجن کے ایٹم سے تین گنا ہونا چاہیے چوتھا عنصر بیری لیم جو چار پروٹون اور چار الیکٹرون پر مشتمل ہے اسے ہائیڈروجن سے چار گنا وزنی ہونا چاہیے لیکن صورتحال مختلف ہے اس کا وزن نو گنا زیادہ ہوتا ہے۔

اب سائنسدانوں کے سامنے یہ سوال درپیش تھا کہ یہ فالتو وزن کہاں سے آگیا اس کی تحقیق میں سر جیمز چیڈوک نے "نیوٹرون" دریافت کیا کہ یہ ایٹمی ذرہ ہے اور جوہری توانائی کا پورا نظریہ اس ذرے پر منحصر ہے سر چیڈوک نے دریافت کیا کہ نیوٹرون کا وزن لگ بھگ وہی ہے جو پروٹون کا ہے لیکن یہ برقبار نہیں ہوتا ایٹم کے اندرونی نظام میں اس کا کام کمیت بڑھانا ہے اس صورت میں کہ کمیت بڑھانے کے معاوضہ میں فالتو الیکٹران کا تقاضہ نہ کرے اس دریافت پر اسے 1935 میں طبیعات کا نوبل انعام دیا گیا۔

مختلف ایٹموں کا وزن مختلف ہونے کا راز فاش ہونے کے بعد پتہ یہ چلا کہ ہائیڈروجن کے سوا بقیہ تمام عناصر کے مرکزوں میں نیوٹرون کی تعداد کم از کم اتنی ضرور ہوتی ہے جتنے کہ پروٹون ہوتے ہیں اور کبھی کبھی یہ تعداد زیادہ بھی ہو جاتی ہے۔

ایٹم کے اندرونی نظام کی ایک اور دلچسپ اور مفید سراغ رسانی روس کے سائنس داں ومتری مندلیف نے کی اس نے دریافت کیا کہ عناصر میں باقاعدہ کیمیائی مشابہت پائی جاتی ہے اس نے عناصر کا "میعادی نقشہ" مرتب کیا جس سے ظاہر ہوا کہ عناصر کے بعض گروپ یکساں قسم کی خصوصیات کے حامل ہوتے ہیں حالانکہ ان کے ایٹمی وزن بالکل مختلف ہوتے ہیں عناصر کے ان گروپوں کا نام خاندان رکھا گیا مثال کے طور پر تمام جامد گیسیں (ہیلیم 'نیون' کرپٹان 'ریڈان) مقررہ سانچے کے ایک خاندان سے تعلق رکھتی ہیں تانبے چاندی اور سونے کا اپنا الگ خاندان ہے۔

جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے ک ہر ایٹم میں الیکٹران کی تعداد مختلف ہوتی ہے۔ یہ الیکٹرون مرکزے کے گرد بلا مقصد بے ہنگم اور بے ترتیبی سے بکھرے ہوئے نہیں ہوتے نظریہ کہتا ہے کہ الیکٹرون انتہائی ترتیب اور توازن کے ساتھ اپنے مداروں میں تہہ در تہہ

www.ksars.org

گندھے ہوئے ہیں مرکزے کے قریب والی تہہ دو الیکٹرونوں پر مشتمل ہے اس کے ساتھ والی دوسری تہہ میں آٹھ الیکٹرون اور تیسری تہہ میں بھی آٹھ الیکٹرون ہوتے ہیں۔ نظریے کی رو سے ایٹم کو اپنی بیرونی سطح میں آٹھ الیکٹرونوں کے مرکب تعداد پسند ہے یعنی آٹھ، سولہ، بتیس وغیرہ۔ اگر ایٹم میں حسن ترتیب کے لحاظ سے الیکٹرونز کی صحیح تعداد میں موجود نہ ہو تو وہ کسی اور عنصر کے ایٹم کی جستجو میں رہتا ہے تاکہ اس کے الیکٹرونز کی شراکت اور ملاپ سے اپنا بیرونی خول صحیح معنوں میں مکمل بنا سکے۔

الیکٹرون کا یہ نظریہ کہ وہ اپنے مدار میں ترتیب سے جڑے ہوئے ہیں اس وقت مفید اور مددگار ثابت ہوتا ہے جب ہم ایٹم کو کیمیائی شئے خیال کرتے ہیں لیکن یہ نظریہ ایٹم کے طبعی خواص کی وضاحت نہیں کرتا مثال کے طور پر یہ سوالات ذہن میں آتے ہیں کہ الیکٹرون وقت کے ساتھ ساتھ بتدریج تھکتے کیوں نہیں ان کی توانائی میں کمی کیوں نہیں آتی وہ ٹوٹ پھوٹ کر نڈھال ہو کر ایٹم کے مرکزے میں کیوں نہیں گر جاتے؟ ان سوالات کا یہ جواب ڈنمارک کے ماہر طبیعات نیلز بوہر نے معلوم کیا بوہر لارڈ رتھر فورڈ کا رفیق کار بھی تھا اس نے ایک خاصہ پیچیدہ نظریہ پیش کیا جسے آج دنیا بھر میں قبولیت عامہ حاصل ہے اس نے کہا کہ الیکٹرون مرکزے کے گرد توانائی کی مختلف سطحوں پر ایک خاص ترتیب سے پھیلے ہوئے گھوم رہے ہیں وہ ایک سطح سے چھلانگ لگا کر دوسری سطح میں داخل ہو سکتے ہیں لیکن دو سطحوں کے درمیان میں معلق نہیں رہ سکتے، جب کوئی ایٹم کسی بھی قسم کی اشعاع حرارت کا سمک ریز یا روشنی کی شعاعوں کے زیر اثر آتا ہے تو اس کے الیکٹرانوں میں توانائی آجاتی ہے اور وہ چھلانگ لگا کر اونچی سطح میں داخل ہو جاتے ہیں جب بیرونی توانائی ختم ہو جاتی تو الیکٹران چھلانگ کر واپس قریب کی نچلی سطح میں آجاتے ہیں کسی ایٹم کو جب عام حالت میں توانائی فراہم کی جاتی ہے تو وہ بلند سطح پر چلا جاتا ہے اس حالت کو برانگیختہ حالت کہتے ہیں قبول شدہ توانائی کی مقدار کو اصطلاح میں "پیکٹ" کہا جاتا ہے ایٹم دوبارہ اپنی عام حالت میں آنا چاہتا ہے چنانچہ وہ توانائی جو اس نے جذب کی تھی روشنی کے چھوٹے چھوٹے پیکٹوں کی شکل میں خارج کرتا ہے یہی پیکٹ فوٹون کہلاتے ہیں اب اگر کوئی ایسا طریقہ استعمال کیا جائے جس کے ذریعہ یہ فوٹون کی ایک ہی سمت میں اور ایک ہی فیز میں حرکت کریں ہمیں طاقتور شعاع لیزر حاصل ہو جائے گی۔

ہر شئے کے مالیکیول ایک خاص فریکوئنسی سے حرکت کرتے ہیں۔ ان پر بجلی یا حرارت وغیرہ اثر انداز ہو تو ہر ایٹم سے جداگانہ طور پر فوٹون کا اخراج ہوتا ہے۔ جس کی دوسرے ایٹموں سے خارج ہونے والے فوٹون سے کوئی نسبت نہیں ہوتی چنانچہ روشنی کی شعاع برقی مقناطیسی لہروں کا پیچیدہ آمیزہ بن جاتی ہے لیزر کا اصول یہ ہے کہ فوٹون کا اخراج ہر ایٹم خود نہ کرے بلکہ اسے ایسے اخراج پر مجبور کیا جائے جس میں فوٹون ایک ہی سمت میں خارج ہوں اور ان سب کا فیز (نشیب و فراز) ایک ہی ہو۔

بعض عناصر سے توانائی اشعاع کی صورت میں خود بخود خارج ہوتی رہتی ہے ایسے عناصر میں سب سے پہلا عنصر جو دریافت ہوا وہ یورینیم تھا لیکن توانائی کا اس سے بھی بڑا منبع ریڈیم ثابت ہوا ہے یہ دریافت پائرے کیوری اور مادام کیوری نے کی۔

انہوں نے دریافت کیا کہ ریڈیم ایک تابکار دھات ہے۔ یعنی اس میں سے شعاعیں نکلتی ہیں جو دیکھی جا سکتی ہیں اور ان کی پیمائش بھی کی جا سکتی ہے۔ تجربات سے انہوں نے حرارت کی معمولی مقدار حاصل کی جس کی پیمائش بھی ہو سکتی تھی بعض دوسرے سائنس دانوں نے جو ایک مدت سے ریڈیم کا مطالعہ کر رہے تھے دریافت کیا کہ ریڈیم کی شعاعیں ماپی بھی جا سکتی ہیں اور مقناطیسی میدان کے ذریعے ان کا رخ بھی موڑا جا سکتا ہے اور اس عمل کے دوران میں ریڈیم سے ایک گیس نکلتی ہے جو ہیلیئم سے مشابہ معلوم ہوتی ہے ایسی گیس جس کے دو الیکٹرون ضائع ہو چکے ہوں اور اس کا ذرہ اتنا چھوٹا اور تیز رفتا ہوتا ہے کہ پتلے شیشے سے گزر سکتا ہے۔

www.ksars.org

لارڈ تھرفورڈ اور فریڈرک سوڈی نے ایک ایسا نظریہ پیش کیا جس سے ایٹم کی تحقیق میں نئے باب کا اضافہ ہو گیا اول روز سے یہ کہا جا رہا تھا کہ ایٹم نا قابل تقسیم ہے لیکن انہوں نے ثابت کر دیا کہ ایٹم قابل تقسیم ہے، انہوں نے ثابت کیا کہ ریڈیم کا ایٹم مسلسل انتشار اور تقسیم در تقسیم کی حالت میں رہتا ہے، فعال ذرات ایک طرف ہو جاتے ہیں اور ایک ہلکا پھلکا ایٹم باقی رہ جاتا ہے جو طبعی اور کیمیائی لحاظ سے اصلی ریڈیم سے بالکل مختلف ہوتا ہے۔ یہ باقی ماندہ ایٹم ایک عام سا عنصر ہے جسے سیسہ کہا جاتا ہے۔

مقناطیسی لہروں پر مشتمل لیزر شعاع اصل میں یک رنگی روشنی کی ایک انتہائی طاقتور صورت ہے جو کہ طیف کے مرئی حصے کے علاوہ بالا بنفشی اور زیریں سرخ حصہ میں بھی ہوتی ہے۔ اس کی مثال مرکری اور سوڈیم سے خارج شدہ روشنی ہے ٹھوس اشیاء کو کاٹنے اور ان میں سوراخ کرنے کے لئے جو لیزر استعمال ہوتی ہے وہ کاربن ڈائی آکسائیڈ لیزر کہلاتی ہے جو کہ کاربن ڈائی آکسائیڈ اور نائٹروجن کے باہم ملاپ سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ نہایت طاقتور اور شدت کی زیریں سرخ شعاعوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ ایسی لیزر کسی جسم میں داخل ہو کر اس کی اندرونی توانائی بڑھا دیتی ہے نتیجتاً اس حصے کا درجہ حرارت لیزر کے ٹکراؤ کی وجہ سے بڑھ جاتا ہے اور وہ بخارات بن کر اڑ جاتا ہے۔

تخلیق روشنی کے تانے بانے پر قائم ہے

تحقیقی پروسیس کے مطابق ہر فرد روشنی کے جال پر نقش ہے۔ یہ جال مفرد اور مرکب لہروں سے بنا ہوا ہے۔ ہر انسان میں مرکب لہروں کے ساتھ مفرد لہریں بھی موجود ہیں۔ اسمائے الٰہی کے علوم کے تحت مفرد لہروں کو کہیں بھی عارضی طور پر ذخیرہ کیا جا سکتا ہے۔ حضرت داؤدؑ جب لوہے کی زرہیں، خود اور دوسری اشیاء بناتے تھے تو مفرد لہروں یعنی لیزر شعاعوں کو ہاتھوں میں سے گزار دیتے تھے اور ان کے ہاتھوں میں لوہا مولڈ ہو جاتا تھا اور وہ لوہے کو حسب منشاء موڑ لیتے تھے اور انگلیوں میں لیزر شعاعوں کو جمع کر کے سامان حرب تیار کر لیتے تھے۔ ترکی کے میوزیم توپ کاپی میں حضرت داؤدؑ کے زمانے کی لوہے کی ہنڈیاں رکھی ہوئی ہے۔ جو اس طرح بنائی گئی ہے کہ جیسے کمہار ہاتھ سے مٹی کی ہنڈیا بناتا ہے۔

کائنات کی ساخت دو رخوں پر کی گئی ہے۔ کائنات میں بے شمار مخلوقات ہیں۔ ان مخلوقات میں قابل تذکرہ مخلوقات فرشتے، جنات اور انسان ہیں۔ یہ تینوں مخلوقات ہماری زمین کی طرح ہر عالم اور ہر زمین پر موجود ہیں۔ ہر مخلوق کو روشنیاں فیڈ کرتی ہیں۔ روشنی لہروں کی صورت میں سفر کرتی ہے۔ فرشتوں اور جنات کی تخلیق میں مفرد لہریں اور انسان کی تخلیق میں مرکب لہریں کام کرتی ہیں۔ کپڑے کی مثال سے بات آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے۔ کپڑا تانے بانے سے بنا جاتا ہے۔ تانے اور بانے کو شعاع یا لہر قرار دے دیا جائے تو یوں کہا جائے گا کہ متحرک لکیریں (دھاگے کے تار) اگرچہ ایک دوسرے سے الگ ہیں مگر ایک دوسرے میں پیوست بھی ہیں اس کپڑے کے اندر بہت سے نقش و نگار بنا دیئے جائیں تو یہ انسان اور انسان کی دنیا ہے یعنی تانے بانے یا مرکب لہروں پر نقش و نگار کا نام آدمی ہے۔

مرکب لہروں کے بجائے ایک سیدھی لہر (ایک دھاگہ) سے کپڑا بنا جائے اور اس کپڑے کے اوپر اعضاء کے نقوش سے تصویر بنائی جائے تو یہ فرشتے یا جن کی تصویر ہوگی ایک لہر یا مفرد حرکت جنات کی دنیا ہے اور دوسری لہر یا مرکب حرکت انسان کی دنیا ہے مفرد لہر یا نسمہ مفرد کا جسم مادی آنکھ سے نظر نہیں آتا۔ البتہ مرکب لہر سے بنا ہوا مادی جسم گوشت پوست کی آنکھ دیکھ لیتی ہے۔

مفرد لہر ہر شئے میں سے گزر جاتی ہے اگر انسان کے اوپر مفرد لہر کا غلبہ ہو جائے تو وہ ٹھوس دیوار میں سے گزر سکتا ہے آسمانوں میں پرواز کر سکتا ہے کسی شئے کی ماہیت قلب میں تبدیلی کر سکتا ہے۔

www.ksars.org

فرشتوں کیلئے ہماری ٹھوس دنیا کوئی حیثیت نہیں رکھتی وہ موٹی سے موٹی دیوار میں سے اس طرح گزر جاتے ہیں جس طرح ہوا کھلی کھڑکی میں سے گزر کر کمرے میں داخل ہو جاتی ہے اسی طرح جنات بھی مرکب لہروں سے بنے مادے (matter) کے ٹھوس پن سے متاثر نہیں ہوتے۔

www.ksars.org

تصوف کیا ہے؟

روحانیت اور تصوف کے بارے میں لوگوں نے بہت کچھ لکھا ہے، ایک گروہ کا خیال ہے کہ اکثر صوفیاء چونکہ اون کا لباس پہنتے تھے اس لئے لوگ انہیں صوفی کہتے تھے۔ اون کو عربی میں صوف کہتے ہیں۔ وہ لوگ یہ لباس اس لئے پہنتے تھے کہ صوف کا لباس پہننا اکثر نبیوں، ولیوں اور برگزیدہ ہستیوں کا معمول رہا ہے۔ بعض حضرات کے خیال میں اصحاب صفہ کے ساتھ نسبت رکھنے کی وجہ سے یہ لوگ صوفی کہلاتے ہیں جبکہ ایک طبقہ کا خیال ہے کہ صوفی صفاء سے مشتق ہے لیکن ان ساری تشریحات سے دل مطمئن نہیں ہوتا۔

تصوف کے اصطلاحی معانی دراصل ''نفس کا تزکیہ'' ہے۔ تصوف اس جذبہ اخلاص کا نام ہے جو ضمیر سے متعلق ہے اور ضمیر نور باطن ہے۔ صوفی اللہ کی معرفت سوچتا ہے۔ اس کی گفتگو کا محور اللہ ہوتا ہے۔ وہ اللہ کے ساتھ جیتا ہے اور اللہ کے نام کے ساتھ مرتا ہے، اسی کا کلمہ پڑھتا ہے، اسی کے گن گاتا ہے اور اسی کے عشق میں ڈوبا رہتا ہے۔ اللہ کو دیکھنے اور اللہ سے ملاقات کے شوق میں اپنا سب کچھ قربان کر دیتا ہے۔ مظاہر فطرت، سمندر کی طغیانی اور سکون میں، اپنے آگے پیچھے اوپر نیچے۔۔۔ صوفی کو ہر طرف اللہ نظر آتا ہے۔

ہر دور میں فلسفی موشگافیاں کرتے رہے، جو فلسفی اللہ کی ہستی کے قائل ہیں، وہ اللہ کو صرف کائنات کا صنعتکار قرار دیتے ہیں لیکن ساتھ ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ مخلوق کا اللہ سے رابطہ قائم نہیں ہوتا۔ اللہ کسی انسان سے ہم کلام نہیں ہوتا۔

تفکر کیا جائے تو سائنسداں اور فلاسفہ کے بیان میں کوئی نمایاں فرق نہیں ہے۔ سائنس دان کہتا ہے کہ اللہ اس لئے نظر نہیں آتا کہ اس کی موجودگی دلیل کی محتاج ہے اور انسان کے پاس ایسی کوئی دلیل نہیں ہے جس سے اللہ کو دیکھنا تسلیم کر لیا جائے۔ سائنس کا عقیدہ ہے کہ کائنات حادثاتی مظاہرہ ہے۔ حالانکہ سائنس دان الیکٹرون کو تخلیق کی اکائی مانتا ہے۔ جو نظر نہیں آتی اور کبھی نظر نہیں آئی۔ سائنس اور فلسفہ کی بنیاد عقل پر ہے جبکہ لاکھوں سال میں عقل کی کوئی حتمی تعریف نہیں ہو سکی۔ سائنس اور فلسفہ کے برعکس مذہب کہتا ہے کہ صحیح عقیدہ کی بنیاد وحی اور الہام ہے اور عقل کا وحی اور الہام میں کوئی دخل نہیں ہے۔

تصوف کے معنی ہیں صوفی ہونا اور صوفی کا مطلب ہے: ظاہر سے زیادہ باطن کا خیال رکھنے والا۔ صوفی وہ ہے جو خود کو تنہا کر کے اللہ سے متعلق رہے۔ اس میں اعلیٰ درجہ کا خلوص اور حقائق کے ادراک کی استعداد ہو۔ صوفی کا یقین ہے کہ اللہ خود اپنا کلام کسی بندے پر نازل کرتا ہے اور انسان اس سے رابطہ میں ہے۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

کسی بشر کی قدرت نہیں کہ وہ اللہ سے ہمکلام ہو۔ مگر وحی کے ذریعہ یا پردہ کے پیچھے سے۔ یا کسی قاصد کے ذریعہ۔ یا اللہ جس طرح چاہے۔ (سورۂ شوریٰ آیت نمبر ۵۱)

قرآن پاک میں یہ بھی ہے:

اگر تم پکارو گے تو میں جواب دوں گا۔۔۔ تم مجھ سے مانگو میں تمہیں دوں گا۔۔۔ میں تمہاری رگِ جان سے زیادہ قریب ہوں۔۔۔ میں تمہارے اندر ہوں، تم دیکھتے کیوں نہیں؟

جن لوگوں پر عقل کا غلبہ تھا انہوں نے اطاعت کو کافی سمجھا اور جنت کو اپنا مقصد بنا لیا۔ لیکن جن لوگوں پر عشق کا غلبہ تھا انہوں نے اطاعت کے علاوہ اللہ کے ساتھ تعلق اور محبت کو ضروری سمجھا اور اللہ کے دیدار کو اپنی زندگی کا مقصد بنا لیا۔

www.ksars.org

روحانیت یا ''تصوف'' روح انسانی سے واصل ہونے کا جذبہ ہے۔ تصوف اپنی انا کا کھوج لگانے کا علم ہے۔

تصوف اپنی انا کا کھوج لگانے کا علم ہے۔ تصوف من کی دنیا میں ڈوب کر سراغ زندگی پاجانے کا نام ہے۔ علم روحانیت یہ حقیقت آشکار کرتا ہے کہ ازل میں روح اللہ کو دیکھ چکی ہے، روحیں اللہ کی آواز سننے کے بعد ''قالو بلیٰ'' کہہ کر اس کی ربوبیت کا اقرار کرچکی ہیں۔ صوفی کہتا ہے اگر میری روح اللہ کو نہ جان سکتی تو اللہ مجھے اپنی ذات سے محبت کا حکم نہ دیتا۔ صوفی پر اسرار و رموز کا انکشاف ہوتا ہے۔

صوفی کے اوپر یہ واضح ہو جاتا ہے کہ روح ایک ایسی ہستی سے محبت کرنا چاہتی ہے جو اس کا خالق ہے اور وہ کائنات میں حسین ترین ہستی ہے۔ صوفی کے یقین میں یہ بات راسخ ہوتی ہے کہ اللہ مجھ سے محبت کرتا ہے۔ میری روح بھی اس سے محبت کرتی ہے۔۔۔ روحانی بندہ اللہ کی تلاش میں ارتکاز توجہ (Concentration) سے استغراق حاصل کر کے حقیقت الحقائق سے واقف ہو جاتا ہے۔

دانشور پوچھتے ہیں کہ غیر صوفی کو وہ مشاہدات کیوں نہیں ہوتے جن کا صوفی اعلان کرتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان روح سے واصل نہیں ہونا چاہتا۔ اور جب اپنی انا روح سے واقف نہیں ہونا چاہتا تو روح کی حقیقت اس کے لئے پردہ بن جاتی ہے۔

انسان مادی اور دنیاوی علوم کے لئے اپنی ساری توانائی اور مال و دولت خرچ کرتا ہے۔ آدمی میٹرک پاس ہونے کے لئے 35600 گھنٹے اور کثیر سرمایہ خرچ کرتا ہے لیکن روح کا عرفان حاصل کرنے کے لئے دن، رات میں 20 منٹ بھی یکسو نہیں ہوتا۔ اللہ کے پاس جانے کے خیال سے ہی دنیادار کے اوپر مردنی چھا جاتی ہے جبکہ اللہ کی ہر نعمت اسے اچھی لگتی ہے۔ ہر فرد بشر جانتا ہے کہ موت کا ایک وقت مقرر ہے۔ عام لوگوں کے برعکس اللہ کے دیدار کے لئے صوفی اس وقت کا شوق سے انتظار کرتا ہے۔

احسان و تصوف کتاب لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ بالخصوص امت مسلمہ اور بالعموم نوع انسانی، اپنی پیدائش، حیات و ممات اور منصبِ خلافت فی الارض کی حقیقت سے واقف ہو جائے اور یہ بات اس کے علم میں آجائے کہ کائنات میں ہر مخلوق باشعور ہے لیکن انسان واحد باشعور مخلوق ہے جو یہ جان لیتی ہے کہ اس کو کس نے پیدا کیا ہے، کیوں پیدا ہوا، مرنے کے بعد کس دنیا میں چلا جاتا ہے اور اس دنیا کے شب و روز کیا ہیں؟

تصوف پر ہزاروں کتابیں لکھی گئی ہیں۔ ہر کتاب تصویر کا ایک نیا رخ پیش کرتی ہے۔ لوگوں نے تصوف کے اوپر بے پناہ اعتراضات کئے ہیں اور تصوف کی فضیلت میں قصیدہ خوانی بھی کی گئی ہے۔ تنقید و تعریف کے انبار میں تصوف کو ایک الجھا ہوا مسئلہ سمجھا جانے لگا۔ کوئی کہتا ہے کہ تصوف دنیا بیزار اور کاہل الوجود لوگوں کا مسلک ہے۔ کسی نے کہا۔ گدی نشین حضرات کا محبوب مشغلہ ہے اور مریدین سے خدمت لینے کا بہترین ذریعہ ہے۔ کسی نے بتایا کہ یہ مسمریزم، ہپناٹزم اور عامل معمول کا کھیل ہے۔ یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ ''نظریہ تصوف'' گانے بجانے اور دھمال ڈالنے کا اچھا طریقہ ہے۔

صاحب قلب و نظر افراد نے پر وقار، پر اعتماد اور سچائی کی عظمت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ قلبی مشاہدات اور روحانی کیفیات کا نام تصوف ہے۔ صوفی کے دل کی ہر دھڑکن اللہ کے ساتھ وابستہ ہوتی ہے۔ حضرت خواجہ غریب نوازؒ کہتے ہیں کہ :

''یار دم بدم و بار بار می آید''

اہل عقل و دانش نے فلسفیانہ استدلال، منطق اور عقلی توجیہات سے تصوف کو اس قدر الجھا دیا ہے کہ تصوف ایک علم چیستان بن گیا ہے۔

انہوں نے اس علم کو یہودی، عیسائی، ویدانت اور بدھ ازم کا لباس پہنا دیا ہے۔

www.ksars.org

قوم کے ہمدرد اور مخلص حضرات وخواتین نے تصوف کے اعلیٰ ذوق کو اختیار کر کے توکل، قناعت اور استغناء کی روشن مثالیں قائم کی ہیں۔انہوں نے عملاً اس بات کا مظاہرہ کیا کہ تصوف ایک ایسا راستہ ہے جس پر چل کر انسان دنیا اور دین کی ہر بھلائی حاصل کر لیتا ہے۔۔۔تصوف کے پیروکار راہب نہیں ہوتے، وہ محنت مزدوری کر کے، حقوق العباد پورے کرتے ہیں اور شب بیدار ہو کر اللہ کے حضور حاضر ہوتے ہیں۔

میری دانست میں تصوف کی تعریف یہ ہے کہ:

تصوف ایک ایسا School of Thought ہے جس میں انسان کو انبیاء علیہم السلام کی طرز فکر کے مطابق تعلیم دی جاتی ہے۔۔۔انسان تعلیم مکمل کر کے جب اس اسکول سے نکلتا ہے تو وہ آدمی سے ممتاز ہو کر انسان بن جاتا ہے۔اور اس کے اندر خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرز فکر نظر آتی ہے۔وہ زندگی کے ہر لمحہ میں اللہ کو پکارتا ہے اور اللہ کو دیکھنے اور اس سے قریب تر ہونے کی آرزو کرتا ہے۔

ایک علم ظاہری ہے۔دوسرا علم باطنی علم ہے۔ظاہری علم معیشت و معاشرت کا علم ہے اور باطنی علم تصوف ہے۔تصوف کا آغاز اس وقت ہوا جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے کہا "میں زمین پر اپنا نائب بنانے والا ہوں۔" آدم علیہ السلام کو علم الاسماء سکھانا۔باطنی علوم کے زمرہ میں آتا ہے۔باطنی اور آسمانی علوم بنی نوع آدم کے لئے حضرت آدم علیہ السلام کا ورثہ ہے۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ تصوف کی ابتداء حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی اور اس طرح نوع انسانی میں حضرت آدم علیہ السلام پہلے صوفی ہیں۔

پیغمبروں کی تعلیمات رہنمائی کرتی ہیں کہ ہر پیغمبر نے نوع انسانی کو اچھائی اور برائی کے تصور سے آگاہ کیا ہے اور خود اس پر عمل کر کے بامقصد زندگی گزارنے کا درس دیا ہے۔پیغمبروں کی تعلیمات کے مطابق واحد ذات اللہ کی پرستش نہ ہو تو وہ ہرگز تصوف نہیں ہے۔۔۔انبیاء علیہم السلام بتاتے ہیں کہ ایک اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کرو۔اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں بھائی چارہ چاہتے ہیں۔اپنی مخلوق کو خوش دیکھنا چاہتے ہیں۔مخلوق کا بے سکون رہنا اللہ کو پسند نہیں ہے۔

اللہ مخلوق کو خوش دیکھنے کے لئے مخلوق کی ضروریات کی کفالت کرتے ہیں۔اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں کے راستے پر چلنے کو اپنا راستہ قرار دیتے ہیں۔پیغمبروں کی زندگی پر تفکر کیا جائے تو ان میں صراط مستقیم پر قائم رہنے اور صراط مستقیم پر دعوت دینے کا بھرپور عزم ہوتا ہے۔پیغمبر عفو ودرگذر سے کام لیتے ہیں، حق تلفی نہ کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔

ہر پیغمبر کی تعلیمات کا مقصد توحید پرستی ہے۔یہی سب باتیں پیغمبران علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تعلیمات پر عمل کرنے والا صوفی بتاتا ہے اور اس پر عمل بھی کرتا ہے۔

یہ اعتراض کہ تصوف رہبانیت کی طرف آمادہ کرتا ہے اور صوفی کاہل الوجود ہوتے ہیں۔نہایت مضحکہ خیز بات ہے۔۔۔صوفی کے علاوہ جو لوگ کام نہیں کرتے ہڈ حرام ہوتے ہیں۔بچوں کے حقوق پورے نہیں کرتے، بیویاں دن بھر کام کرتی ہیں، شوہر گھر میں بیٹھ کر وقت ضائع کرتے ہیں۔کیا یہ سب بھی صوفی ہیں؟

صوفی روحانی صلاحیت اور باطنی استعداد کو متحرک کرنے کے لئے جب خانقاہ میں داخل ہوتا ہے۔چند سال تک خانقاہ کے ہاسٹل میں رہتا ہے۔تو اسے مخالفین راہب اور تارک الدنیا کہتے ہیں۔اور جب کوئی طالب علم دنیاوی علم حاصل کرنے کے لئے کارپینٹر کا کام سیکھنے کے لئے، ملازم حکمران کی اطاعت کیلئے، مزدور مزدوری کیلئے، اجیر فیکٹری میں کام کرنے کیلئے جب سالہا سال گھر اور وطن سے دور رہتا ہے۔تو کوئی نہیں کہتا یہ تارک الدنیا ہے۔کسی نے یہ نہیں کہا کہ یہ راہب ہے۔

www.ksars.org

سالک خانقاہ میں رہ کر اپنی باطنی کیفیات کا مشاہدہ کرتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوتا ہے۔ اللہ کا عرفان حاصل کرتا ہے۔ بلاصلہ وستائش اللہ کی مخلوق کی خدمت کرنے کے لئے خود کو اہل بناتا ہے۔ اللہ کا دوست بن کر خوف اور غم سے نجات حاصل کرلیتا ہے۔ تو اسے راہب اور دنیا بیزار کے القاب سے نوازا جاتا ہے۔

تصوف مذہب کی روح ہے اور اسلام کے اصولوں پر اس کی تدوین ہوئی ہے۔ اسلام میں رہبانیت نہیں ہے۔ دوسرے علوم کی طرح روحانی طالب علم شب و روز محنت کر کے، وقت لگا کر یہ علم سیکھتا ہے اور جب علم کی تکمیل ہو جاتی ہے تو گوشہ نشین یا ہوسٹل کی رہائش ترک کر دیتا ہے اور دنیا کے سارے کام پورے کرتا ہے۔

سالکین کے اوپر یہ الزام ہے کہ وہ تارک الدنیا ہوتے ہیں۔ کیا ہم لاہور میں مقیم حضرت داتا گنج بخشؒ اور ملتان میں موجود حضرت بہاؤالدین زکریاؒ کو تارک الدنیا کہہ سکتے ہیں۔ داتا صاحبؒ کا مزار مرجع خلائق ہے جہاں ہزاروں انسان روزانہ کھانا کھاتے ہیں۔ کیا ہم اس دعوتِ عام کو ترکِ دنیا کا نام دے سکتے ہیں؟

اعتراض کیا جاتا ہے کہ صوفی کا لفظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں رائج نہیں تھا اس لئے قابل قبول نہیں ہے۔ ہم سوال کرنے میں حق بجانب ہیں کہ صحابۂ کرام کے زمانہ میں اہل حدیث، اہل قرآن، دیوبندی، بریلوی، وہابی، شیعہ، سنی وغیرہ کے الفاظ بھی رائج نہیں تھے۔ حکیم الامت، علامہ، مولانا، مولوی کے الفاظ کا ذکر بھی نہیں ملتا۔ کسی نے مولائیت یا مولویت کے الفاظ کا اشتقاق کیوں تلاش نہیں کیا۔ کیا صحابہ کرامؓ کے زمانے میں کوئی بزرگ مولوی ابوہریرہؓ، مولانا معاذ بن جبلؓ یا ملا ابن مسعود یا علامہ ابن عباس، حکیم الامت ابن عمر، مولانا ابوبکر، مفتی عثمان غنی کے نام سے مشہور تھے؟

بحث و مباحثہ کا سارا زور لفظ "صوفی" کیوں ہے؟۔۔۔۔۔ اس لئے کہ صوفی یہ کہتا ہے کہ قال کے ساتھ حال ضروری ہے۔ ظاہر کے ساتھ باطن ضروری ہے۔ ظاہر کے ساتھ اگر باطن نہیں ہوگا تو عبادت کو قبولیت کا مژدہ نہیں ملے گا۔ اگر اسلام کے ساتھ ایمان نہیں ہوگا تو اسلام کی تکمیل نہیں ہوگی۔ نماز میں اگر حضور نہیں ہوگا تو نماز معراج المومنین نہیں بنے گی۔ حقوق اللہ پورے نہیں کئے جائیں گے تو شرک سے نجات نہیں ملے گی۔ اللہ وحدہ لاشریک کو دیکھ کر اس کا عرفان حاصل نہیں کیا جائے گا تو تخلیق کا مقصد پورا نہیں ہوگا۔ صوفی کا پیغام یہ ہے کہ:

"ہر شخص کی زندگی روح کے تابع ہے،
اور روح ازل میں اللہ کو دیکھ چکی ہے،
جو بندہ اپنی روح سے واقف ہو جاتا ہے،
وہ اس دنیا میں اللہ کو دیکھ لیتا ہے

دنیاوی علوم کی طرح سلاسل طریقت اور خانقاہی نظام میں بیعت (شاگردی اختیار کرنا) بنیادی عمل ہے۔ بیعت فرض نہیں ہے لیکن دنیا میں بہت سارے کام ایسے ہیں جو فرض نہیں ہیں۔ مثلاً کہیں نہیں لکھا ہے انجینئر بننا فرض ہے، بڑھئی کا کام سیکھنا فرض ہے، ڈاکٹر بننا لازم ہے۔ لیکن بہرحال تعلیم حاصل کرنا معاشرے کی بنیادی ضرورت ہے۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے بیعت کے فوائد بیان کئے ہیں۔

"اے پیغمبر! جو لوگ آپ کے ساتھ بیعت کرتے ہیں، اللہ کے ساتھ بیعت کرتے ہیں، ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے"
(سورۃ فتح۔ آیت ۱۰)

www.ksars.org

جس طرح دنیاوی علوم سیکھنے کے لئے اسکول، کالج اور یونیورسٹیوں کا ہونا ضروری ہے، اسی طرح علم طریقت، تصوف یا روحانی علوم سیکھنے کے لئے درسگاہیں (خانقاہی نظام) ضروری ہے۔ جب سے خانقاہی نظام پر قدغن لگائی گئی ہے۔ اسی وقت سے انسان بے سکون، بے چین، پریشان، ایڈز اور کینسر جیسے موذی مرض کا شکار بن گیا ہے۔ اس لئے کہ انسان کا مادی وجود سڑاند اور تعفن کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ سڑاند اور تعفن میں امراض ہی پیدا ہو سکتے ہیں۔

دنیاوی علوم کے ساتھ ساتھ قرآن پاک اور احادیث کی تعلیم کے مطابق جسمانی وجود کو زندہ رکھنے والی، سہارا دینے والی، روح کا ادراک ضروری ہے اور روح کے ادراک کیلئے بیعت یعنی روحانی استاد کی شاگردی ضروری ہے۔ تصوف کا اصل اصول یہ ہے کہ روح (انسان کی اصل) نور اور روشنیوں سے بنی ہوئی ہے۔ جب تک روشنیوں کا انسان مادی جسم کو اپنا معمول بنائے رکھتا ہے انسان زندہ رہتا ہے اور جب روشنیوں کا انسان مادی عناصر سے بنے ہوئے جسم کو چھوڑ دیتا ہے تو آدمی مر جاتا ہے۔

روحانی استاد، عرف عام میں جسے مرشد کہا جاتا ہے اس قانون سے واقف ہوتا ہے اور یہ علم اسے اپنے مرشد اور سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے منتقل ہوتا ہے۔

روحانی شاگرد یا مرید جب مرشد کے حلقہ میں آجاتا ہے تو مرید کے اندر Positive اور Negative روشنیوں کا نظام بحال ہو جاتا ہے۔ مرید کی روشنیوں میں مراد کی روشنیاں شامل ہو جاتی ہیں۔ اس عمل سے بتدریج تعفن کم ہوتا رہتا ہے۔ جس مناسبت سے تعفن کم ہوتا ہے اسی مناسبت سے لطیف روشنیوں کا ذخیرہ ہوتا رہتا ہے۔

مرید ہونے سے پہلے ضروری ہے کہ شیخ کی زندگی کے احوال و اعمال سے مرید مطمئن ہو اگر مرید اور مراد میں ذہنی ہم آہنگی نہ ہو تو مرید کرنا یا مرید ہونا دونوں باتیں عقل و شعور کے خلاف ہیں۔ مختصراً اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تک مراد اور مرید دونوں کے مزاج میں، عادات و خصائل میں، نشست و برخاست میں، وضع داری میں، طریقت و شریعت میں پوری طرح مطابقت نہیں ہو گی بیعت کا فائدہ نہیں ہو گا۔

روحانی علم دراصل ورثہ ہوتا ہے۔ جس طرح صلبی باپ اولاد کی بہترین تربیت کرنا اپنا مقصد زندگی سمجھتا ہے اسی طرح مرشد بھی شب و روز روحانی اولاد کی تربیت میں مشغول رہتا ہے۔ بڑی بڑی اذیتیں تکلیفیں اور پریشانیاں برداشت کر کے اپنے شاگرد کے اندر روحانی طرز فکر منتقل کرتا رہتا ہے۔ شاگرد کی کوتاہیوں پر صبر کرتا ہے۔ اس کی غلطیوں کو معاف کرتا ہے۔ مرشد اپنے شاگرد کے لئے مکمل ایثار ہوتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ کے مطابق انسان کی تخلیق کا مقصد خود کو پہچان کر اللہ کا عرفان حاصل کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی اصل یعنی روح سے واقف ہونے کی توفیق دے۔

آیئے! جدوجہد کریں کہ ہمیں اللہ کا قرب نصیب ہو جائے اور ہم سب اس طرح اللہ سے قریب ہو جائیں جس طرح اللہ چاہتا ہے۔

www.ksars.org

سیرت طیبہ کی روشنی مین حکمت دیں

حضرت عمر ابن خطابؓ سے روایت ہے کہ ایک روز جبرائیل علیہ السلام بہ صورت انسان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دو زانو مؤدب بیٹھ کر چند سوال کئے۔

اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بتایئے کہ اسلام کیا ہے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اسلام یہ ہے کہ تم اس بات کی گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کا رسول ہے اور قائم کرو صلوٰۃ اور ادا کرو زکوٰۃ اور رمضان کے روزے رکھو اور بیت اللہ کا حج کرو۔ اگر سفر خرچ کی استطاعت ہو۔

جبرائیلؑ نے کہا: صحیح فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر سوال کیا

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ایمان کیا ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر اور قیامت کے دن پر اور ایمان لاؤ اس کی تقدیر پر بھلی ہو یا بری۔

جبرائیلؑ نے فرمایا: سچ فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے۔

احسان کیا ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: احسان یہ ہے کہ تو اللہ کی عبادت اس طرح کر کہ گویا تو اللہ کو دیکھ رہا ہے اور اگر ایسا نہ کر سکے تو اس طرح عبادت کر کہ گویا اللہ تجھے دیکھ رہا ہے۔

جبرائیلؑ نے کہا سچ فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے۔

حضرت جبرائیلؑ کے اس استفسار میں تین باتیں بطور خاص فکر طلب ہیں۔

*اسلام کیا ہے؟

*ایمان کسے کہتے ہیں؟

*اور احسان کیا ہے؟

اسلام: اللہ وحدہ لاشریک کو ایک مان لینا اور اسی کو برحق معبود سمجھنا اسلام ہے۔ شریعت مطہرہ پر بلا چوں وچرا عمل کرنا، یہی امن اور سلامتی کا راستہ ہے۔

ایمان: ایمان یہ ہے کہ اعمال واشغال کے نتیجے میں ایسا یقین حاصل ہو جائے جس میں شک کا شائبہ نہ رہے۔ ایمان یقین ہے اور یقین مشاہدہ سے مشروط ہے۔ کوئی عدالت عینی شہادت کے بغیر گواہی قبول نہیں کرتی۔

احسان: احسان کا مطلب یہ ہے کہ بندہ اللہ کو دیکھ کر عبادت کرے یا بندہ اس کیفیت میں ہو کہ اسے اللہ دیکھ رہا ہے۔ یقین کے اس درجے کو تصوف میں مرتبۂ احسان کہتے ہیں۔ اگر آدمی اسلام قبول نہیں کرے گا تو مسلمان نہیں ہوگا اور اگر مسلمان یقین

www.ksars.org

کی دولت سے مالا مال نہیں ہو گا تو مومن نہیں ہو گا اور مومن کی شان یہ ہے کہ وہ اللہ کو دیکھتا ہے یا وہ اس بات کا مشاہدہ کرتا ہے کہ اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔

علماء اس حدیث شریف کی تشریح اس طرح کرتے ہیں:

اسلام یہ ہے کہ شریعت کے آداب واحکامات کا علم ہو اور اس پر عمل کیا جائے۔ایمان یہ ہے کہ اللہ پر اعتقاد رکھا جائے کہ اس کی ذات وصفات اور اس کے فرشتے اللہ کے فرمان کے مطابق برحق ہیں۔فرشتے اللہ کے فرمانبردار ہیں اور ہم اس کی کتابوں پر ایمان لاتے ہیں کہ یہ اس کا کلام قدیم ہے جو اس نے اپنے رسولوں پر نازل فرمایا اور رسولوں کو اللہ نے مخلوق کی ہدایت کے لئے بھیجا ہے۔وہ معصوم و گناہوں سے پاک ہیں اور ہم ایمان لاتے ہیں قیامت، بہشت دوزخ کے عذاب وثواب پر۔

اہل تصوف اس حدیث شریف کی تشریح یہ کرتے ہیں:

اسلام یہ ہے کہ احکام شریعت پر پوری طرح عمل کر کے غیب کی دنیا میں فرشتوں کو دیکھنا اور اللہ رب العزت کے سامنے حضور قلب سے حاضر ہونا ہے۔جاننا چاہئے کہ یہ مقام شہود و مشاہدہ ہے اور یہ کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے۔یا میں اللہ کو دیکھ رہا ہوں، یہ مقام مرتبہ احسان ہے۔

صوفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا نمونہ ہوتا ہے اس کے اندر سیرت مطہرہ کی جھلک نظر آتی ہے۔وہ غصہ نہیں کرتا، عفو ودرگزر سے کام لیتا ہے۔اس کے دل میں ہر چھوٹے بڑے کا احترام ہوتا ہے۔دوسروں کے کام آتا ہے، ایفائے عہد میں پُرعزم اور پختہ ہوتا ہے۔ہر اخلاقی برائی سے خود کو محفوظ رکھنے کی کوشش کرتا ہے اور ہر اچھی بات پر دلجمعی سے عمل کرتا ہے اور دوسروں کو عمل کرنے کی تلقین کرتا ہے۔کسی پر طعن وتشنیع نہیں کرتا اور نہ کسی کو بددعا دیتا ہے۔ہر کس وناکس کے ساتھ خوش ہو کر ملتا ہے۔اخلاق، مروت اس کی شناخت بن جاتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''خوش اخلاقی اللہ تعالیٰ کا خُلق عظیم ہے۔''

اخلاق وہی اچھا ہے جس میں صفات ربانی کا عکس ہو۔کچھ صفات ایسی ہیں جن میں انسان برابری نہیں کر سکتا مثلاً اللہ واحد ہے اور مخلوق کثرت ہے، اللہ خالق ہے مخلوق، مخلوق ہے۔کبریائی اور بڑائی صرف اللہ کے لئے مخصوص ہے، بندے کا کمال یہ ہے کہ اس میں کبریائی کے مقابلے میں خاکساری اور تواضع ہو۔قادر مطلق اللہ کی صفات میں بندہ فروتنی محسوس کرے۔خوش اخلاق ہو کیونکہ اسلام نے انسان کی روحانی تکمیل کا ذریعہ اخلاق کو قرار دیا ہے۔صفات الٰہیہ کے انوار سے بندہ بشر جس حد تک قریب ہوتا ہے اس کی روحانی ترقی ہوتی رہتی ہے۔

دنیا میں اخلاق کے بڑے بڑے معلم پیدا ہوئے اور سب نے اخلاقیات پر عمل کرنے کی دعوت دی ہے۔تمام مذاہب کی بنیاد بھی اخلاق حسنہ پر رکھی گئی ہے۔دنیا میں ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر تشریف لائے سب نے اس بات کا اعادہ کیا کہ سچ بولنا اچھا عمل ہے۔اور جھوٹ بولنا برائی ہے۔انصاف بھلائی ہے اور ظلم بدی ہے، خیرات نیکی ہے اور چوری جرم ہے۔دوسرے کے کام آنا ایسی عادت ہے جو اللہ کے لئے پسندیدہ ہے اور حق تلفی کرنا اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ عمل ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ''میں حسن اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہوں''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ ''میں اس لئے بھیجا گیا ہوں کہ اخلاق حسنہ کی تکمیل ہو جائے ''

www.ksars.org

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعثت نبوی سے پہلے ہی اس فرض کو انجام دینا شروع کر دیا تھا۔ابوذرؓ نے اپنے بھائی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات اور تعلیمات کی تحقیق کے لئے مکہ بھیجا تھا۔انہوں نے واپس آکر اپنے بھائی کو بتایا، ''میں نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو اخلاق حسنہ کی تعلیم دیتے ہیں''

نجاشی نے جب مسلمانوں کو بلا کر اسلام کے بارے میں تحقیق کی تو حضرت جعفر طیار نے کہا''اے بادشاہ! ہم لوگ ایک جاہل قوم تھے بتوں کو پوجتے تھے، مردار کھاتے تھے، بدکاریاں کرتے تھے، پڑوسیوں کو تنگ وپریشان کرتے تھے اور بھائی بھائی پر ظلم کرتا تھا، زبردست زیردستوں کو غلام بنالیتے تھے، ان حالات میں ایک شخص ہم میں پیدا ہوا۔۔۔۔۔اس نے ہمیں سکھایا کہ ہم پتھروں کی پرستش چھوڑ دیں، سچ بولیں، خونریزیوں سے باز آجائیں، یتیموں کا مال نہ کھائیں۔ہمسائیوں سے اچھا سلوک کریں، ضعیف عورتوں پر بدنامی کا داغ نہ لگائیں''

اسی طرح قیصر روم کے دربار میں ابوسفیان نے جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اصلاحی دعوت کا جو مختصر خاکہ بیان کیا اس میں یہ تسلیم کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی توحید اور عبادت کے ساتھ لوگوں کو یہ سکھاتے ہیں کہ پاک دامنی اختیار کریں۔سچ بولیں اور قرابت داروں کا حق ادا کریں۔

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں کہا:

''یہ پیغمبر جاہل اوران پڑھ لوگوں کو پاک وصاف کرتا ہے اور ان کو حکمت سکھاتا ہے''

اس آیت میں دو لفظ بہت زیادہ تفکر طلب ہیں: ۱) تزکیہ ۲) حکمت

۱) تزکیہ کے لفظی معنی ہیں۔۔۔۔۔پاک صاف کرنا، نکھارنا۔۔۔!

قرآن پاک کے یہ الفاظ بتاتے ہیں کہ نفس انسانی کو ہر قسم کی نجاستوں اور آلودگیوں سے پاک کر کے صاف ستھرا کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''بلاشبہ جس نے اپنے نفس کو صاف ستھرا بنایا وہ کامیاب ہوا جس نے اسے مٹی میں ملایا وہ ناکام رہا''(سورۃ شمس: آیت ۹تا۱۰)

ان آیات میں تزکیہ جسے پیغمبر اسلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات قرار دیا ہے۔یہ مفہوم بھی نکلتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت کا سب سے بڑا منصب یہ تھا کہ وہ انسانی نفوس کو برائیوں، نجاستوں اور آلودگیوں سے پاک کرے اور ان کے اخلاق واعمال کو درست اور صاف ستھرا بنائے۔

۲) حکمت کا لفظ نور کی صورت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ودیعت کیا گیا ہے۔جس کے آثار و مظاہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے سنن واحکام کی صورت میں ظاہر ہوئے ہیں۔

سورۃ لقمان آیت ۱۲ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

''اور ہم نے لقمان کو حکمت کی باتیں بتائیں کہ خدا کا شکر ادا کریں''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں اخلاق کے مرتبے کو حکمت کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔اسلام میں عبادات اور دوسرے احکام کو جو حیثیت حاصل ہے، اخلاق کو بھی اتنی اہمیت حاصل ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''اے ایمان والو! رکوع کرو، سجدہ کرو اپنے رب کو پوجو اور نیکی کرو تاکہ تم فلاح پاؤ''(سورۃ الحج۔آیت ۱۰)

www.ksars.org

''حقوق العباد انسانوں میں باہمی معاملات اور تعلقات کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ رحمٰن ورحیم ہے۔ اس کی رحمت کا دروازہ کسی نیک و بد بندے پر بند نہیں ہوتا۔ شرک و کفر کے سوا ہر گناہ قابل معافی ہے۔ مگر حقوق العباد، اخلاق فرائض میں کوتاہی اور تقصیر کی معافی اللہ تعالیٰ نے ان بندوں کے ہاتھ میں رکھی ہے جن کے ساتھ یہ ظلم ہوا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جس بھائی نے کسی دوسرے بھائی پر ظلم کیا تو ظالم بھائی کو چاہئے کہ وہ اس دنیا میں ظلم کو معاف کرالے ورنہ یوم حساب میں تاوان ادا کرنے کے لئے کسی کے پاس کوئی درہم ودینار نہیں ہوگا۔ صرف اعمال ہونگے، ظالم کی نیکیاں مظلوم کو مل جائیں گی اور مظلوم کے اعمال میں لکھ دی جائیں گی

بے سمجھ واعظوں اور ابن الوقت مذہبی دانشوروں کی غلط بیانی سے یہ غلط فہمی پیدا ہوگئی کہ اسلام کی بنیاد صرف توحید، نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ پر قائم ہے۔ اس بات سے یہ تاثر ملتا ہے کہ پانچ ستونوں پر کھڑی ہوئی اسلام کی اس عمارت میں اخلاق حسنہ کی کوئی جگہ نہیں ہے۔ حالانکہ نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کے فرائض اور عبادات سے اخلاق حسنہ کی ہی تکمیل ہوتی ہے۔

قرآن حکیم بتاتا ہے کہ نماز کا فائدہ یہ ہے کہ وہ بری باتوں سے روکتی ہے۔ روزہ تقویٰ کی تعلیم دیتا ہے۔ زکوٰۃ سرتاپا انسانی ہمدردی اور غم خواری کا درس ہے۔ اور حج مختلف طریقوں سے ہماری اخلاقی اصلاح اور ترقی کا ذریعہ ہے۔ اسلام کے ان چاروں ارکان کے نام الگ الگ ہیں مگر ان کا بنیادی مقصد اخلاقی تعلیم ہے۔

اگر ان عبادات سے روحانی اور اخلاقی ثمر حاصل نہ ہو تو سمجھ لینا چاہئے کہ احکام الٰہی کی حقیقی تعمیل نہیں ہوئی۔ یہ عبادات ایسا درخت ہیں جس میں پھل نہیں آتا، ایسے پھول ہیں جس میں خوشبو نہیں ہے، یہ اعمال ایسے قالب ہیں جس میں روح نہیں ہے۔

احیاء العلوم میں امام غزالیؒ لکھتے ہیں:

''اور اللہ فرماتا ہے میرے لئے نماز قائم کرو۔ بھولنے والوں میں نہ ہو جاؤ۔ نشہ کی حالت میں اس وقت تک نماز نہ پڑھو جب تک تم یہ نہ سمجھو کہ تم کیا کہہ رہے ہو''

سوال یہ ہے کہ کتنے ہی نمازی ایسے ہیں کہ جو شراب نہیں پیتے مگر جب وہ نماز پڑھتے ہیں تو نہیں جانتے کہ وہ کیا پڑھ رہے ہیں۔ ان کے سامنے معانی اور مفہوم نہیں ہوتے۔ ان کا دل نماز میں نہیں ہوتا۔ وسوسوں کا ایک طوفان انہیں گھیرے رہتا ہے۔

آسمانی کتابوں میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، ''کہ میں ہر آدمی کی نماز قبول نہیں کرتا۔ میں اس کی نماز قبول کرتا ہوں جو میری بڑائی کرتا ہے اور بندوں پر اپنی بڑائی نہیں جتاتا اور بھوکے محتاج کو میرے لئے کھانا کھلاتا ہے۔

صلوٰۃ ذہنی یکسوئی حاصل کرنے کا ایک ایسا طریقہ ہے جو انبیاء کرام علیہم السلام اور سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اختیار فرمایا ہے۔ اس طریقہ میں بڑی اہمیت تفکر کو ہے۔ صلوٰۃ میں اللہ کے ساتھ بندے کا تعلق قائم ہو جاتا ہے جب بندہ اس تفکر کے ساتھ اللہ کے سامنے حاضر ہوتا ہے کہ مجھے اللہ دیکھ رہا ہے تو اللہ کی صفات میں ذہن مرکوز ہو جاتا ہے۔ روحانی کیفیات میں تفکر بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طویل مدت تک غار حرا میں اللہ کی نشانیوں پر تفکر فرمایا ہے۔ تفکر کا مفہوم یہ ہے کہ ہر طرف سے ذہن ہٹا کر اللہ کی نشانیوں پر غور کیا جائے۔ ارکان اسلام کی تکمیل کے بعد بندہ کا اللہ کے ساتھ رابطہ قائم رہتا ہے۔

صلوٰۃ اس عبادت کا نام ہے جس میں اللہ کی بڑائی، تعظیم اور اس کی ربوبیت وحاکمیت کو تسلیم کیا جاتا ہے، نماز ہر پیغمبر اور اس کی امت پر فرض ہے۔ نماز قائم کرکے بندہ اللہ سے قریب ہو جاتا ہے۔ نماز فواحشات اور منکرات سے روکتی ہے۔ صلوٰۃ دراصل اللہ سے

www.ksars.org

تعلق قائم کرنے کا یقینی ذریعہ ہے۔ مسلسل مراقبوں (تفکر) کے ذریعہ سالک کو ذہنی مرکزیت قائم کرنے کی مشق ہو جاتی ہے اس لئے مراقبہ کرنے والے حضرات وخواتین جب نماز ادا کرتے ہیں تو آسانی سے ان کا دلی تعلق اللہ کے ساتھ قائم ہو جاتا ہے۔

بندہ جب اللہ سے اپنا تعلق قائم کر لیتا ہے تو اس کے دماغ میں ایک دروازہ کھل جاتا ہے جس سے گزر کر وہ غیب کی دنیا میں داخل ہو جاتا ہے۔ صلوٰۃ ک ذہنی مرکزیت (Concentration) کو بحال کر دیتی ہے۔ انسان ذہنی یکسوئی کے ساتھ شعوری کیفیات سے نکل کر لاشعوری کیفیات میں داخل ہو جاتا ہے۔ اللہ کی طرف متوجہ ہونے کا مطلب یہ ہے، شعوری دنیا سے نکل کر لاشعوری دنیا غیب کی دنیا سے آشنا ہو جائے۔

بندہ جب ذہنی توجہ کے ساتھ کلام اللہ کی تلاوت کرتا ہے تو اسے انہماک نصیب ہو جاتا ہے۔ قرآنی آیات کو بار بار پڑھنے سے ملاء اعلیٰ سے ایک ربط پیدا ہو جاتا ہے۔ چنانچہ جس قدر قلب کا آئینہ صاف ہوتا ہے اسی مناسبت سے معانی و مفاہیم کی نورانی دنیا اس کے اوپر ظاہر ہونے لگتی ہے۔

اللہ کی دوستی حاصل کرنے کے لئے قرآن حکیم نے جس پروگرام کا تذکرہ کیا ہے اس میں دو باتیں بہت اہم اور ضروری ہیں۔

"قائم کرو صلوٰۃ اور ادا کرو زکوٰۃ" (سورۂ بقرہ۔ آیت نمبر ۴۳)

قرآنی پروگرام کے یہ دونوں اجزاء نماز اور زکوٰۃ، روح اور جسم کا وظیفہ ہیں۔ وظیفہ سے مراد وہ حرکت ہے جو زندگی کی حرکت کو قائم رکھنے کے لئے ضروری ہے۔ نماز میں وظیفۂ اعضاء کی حرکت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع رہنے کی عادت ہونی چاہئے۔ ذہن کا اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہونا روح کا وظیفہ ہے۔ اور اعضاء کا حرکت میں رہنا جسم کا وظیفہ ہے۔ قیام صلوٰۃ کے ذریعے کوئی بندہ اس بات کا عادی ہو جاتا ہے کہ وہ زندگی کے ہر شعبے میں اللہ کی طرف متوجہ رہتا ہے۔ جس حد تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ پر کسی امتی کا عمل ہوتا ہے، اسی مناسبت سے اسے حضوری نصیب ہو جاتی ہے۔ قلب میں جلا پیدا کرنے کے لئے ہمیں خود کو ان چیزوں سے دور کرنا ہو گا جو ہمیں پاکیزگی، صفائی اور نورانیت سے دور کرتی ہیں۔ اس دماغ کو رد کرنا ہو گا جو ہمارے اندر نافرمانی کا دماغ ہے۔ اس دماغ سے آشنائی حاصل کرنا ہو گی جو جنت کا دماغ ہے اور جس دماغ پر تجلیات کا نزول ہوتا ہے۔

طواف ایک ایسی عبادت ہے جو بیت اللہ شریف میں کی جاتی ہے۔ خانہ کعبہ اللہ تعالیٰ کی مرکزیت کا Symbol ہے۔ ہر شئے اللہ تعالیٰ کی جانب سے آرہی ہے اور اللہ تعالیٰ کی جانب لوٹ جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی جانب سے آنے والی ہر شئے کی صفت کائنات کا شعور ہے اور کائنات کا علم لاشعور ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات علیم ہے اور علم کا سورس اللہ ہے۔ علم الٰہیہ کے انوار و تجلیات کا مظاہراتی سطح پر نزول کرنا کائنات کی نزولی حرکت ہے۔ نزولی حرکت میں علم کی تجلی اپنے علوم کا مظاہرہ کرتی ہے۔

بیت اللہ شریف کے طواف میں یہ نیت ہوتی ہے کہ ہم اللہ کے گھر کا طواف کر رہے ہیں۔ طواف صعودی اور نزولی دونوں کیفیات پر مشتمل ہے۔ صعودی حرکت یہ ہے کہ بندہ اپنے رب کی جانب متوجہ ہوتا ہے اور نزولی حرکت یہ ہے کہ بندہ مقدس زمین پر جسمانی طور پر اللہ کے گھر کے ارد گرد گھومتا ہے۔ حجر اسود کے سامنے تھوڑی دیر قیام کرنا، حجر اسود کو بوسہ دینا یا ہاتھ اٹھا کر اشارہ کرنا اور خانہ کعبہ کے گرد چکر لگانا طواف ہے۔

طواف کعبہ میں شعور و لاشعور میں روشنیوں کا ہجوم ہوتا ہے۔ روشنیوں اور نور کا ذخیرہ ہو جانے کی وجہ سے روح حق کے مشاہدہ میں مصروف ہو جاتی ہے۔ طواف کرنے والے پر بے خودی طاری ہو جاتی ہے۔ بیت اللہ شریف پر ہر لمحہ اور ہر آن انوار و تجلیات کا نزول ہوتا رہتا ہے۔ فرشتے ہمہ وقت طواف کرتے رہتے ہیں۔ انبیاء اور اولیاء اللہ کی ارواح طیبہ طواف میں مشغول رہتی ہیں۔ فرشتوں

www.ksars.org

اور انبیاء علیہم السلام کے انوار اور اولیاء کرام کی فراست کی روشنیاں ایسا ماحول بنا دیتی ہیں کہ طواف میں حاجی کے اوپر انوار کی بارش برستی ہے۔ نور کی بارش اور تجلی کی لطافت کثیر تعداد میں لوگ محسوس کرتے ہیں اور اس سے پوری طرح فیضیاب اور متاثر ہوتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''جس کی نماز اس کو برائی اور بدی سے نہ روکے ایسی نماز اس کو اللہ سے دور کر دیتی ہے''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''روزہ رکھ کر جو شخص جھوٹ اور فریب کو نہ چھوڑے اللہ کو اس کی ضرورت نہیں ہے'' ان تعلیمات سے منکشف ہوتا ہے کہ عبادات کا ایک اہم مقصد اخلاق کا تزکیہ بھی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''بلاشبہ وہ ایمان والے کامیاب ہوتے ہیں جو اپنی نماز میں خشوع اور خضوع کرتے ہیں اور جو لا یعنی بات پر دھیان نہیں کرتے۔ اور جو زکوٰۃ دیا کرتے ہیں (سورۃ مومنون: آیت ا تا ۴)

''اور جو اپنی امانتوں میں خیانت نہیں کرتے'' (سورۃ مومنون۔ آیت ۸)

جب صوفی ان الفاظ کی اہمیت پر غور کرتا ہے تو اس پر یہ بات منکشف ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تقرب الٰہی اور دعا کی قبولیت کے بہترین موقع پر بھی اللہ تعالیٰ سے حسن اخلاق کے لئے درخواست کی ہے۔

صوفی یہ بات جانتا ہے کہ ایمان میں اخلاق کی بڑی اہمیت ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

''مسلمانوں میں کامل ایمان اس کا ہے جس کا اخلاق سب سے اچھا ہے''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''حسن اخلاق سے انسان وہ درجہ پالیتا ہے جو دن بھر روزہ رکھنے اور رات کو شب بیدار رہنے سے حاصل ہوتا ہے''

خانقاہی نظام میں سالک کو پہلا سبق یہ دیا جاتا ہے:

''باادب بانصیب بے ادب بے نصیب''

سالکین کو سیرت طیبہ کا ہر پہلو پڑھایا جاتا ہے اور ان پر عمل کرنے کی ترغیب دی جاتی ہے ان کے ذہن نشین کرایا جاتا ہے کہ:

۱) اگر تمہیں کسی سے تکلیف پہنچے تو تم اسے معاف کر دو حالانکہ تم الٰہی قانون کے تحت بدلہ لے سکتے ہو لیکن معاف کرنے سے اللہ خوش ہوتا ہے۔

۲) اگر تم سے کسی کو تکلیف پہنچ جائے۔ وہ اعلیٰ ذات ہو یا چھوٹی ذات میں شمار کیا جاتا ہو، کمزور ہو یا طاقتور ہو تم اس سے معافی مانگ لو۔

۳) دین اور دنیا کے معاملات میں تندہی کے ساتھ پوری کوشش کرو لیکن نتیجہ اللہ پر چھوڑ دو۔

۴) قیام الصلوٰۃ کا مطلب ہے اللہ کے ساتھ رابطہ میں رہنا یعنی اللہ کو دیکھ کر یا اللہ کو محسوس کر کے اس کی عبادت کرنا۔

۵) جہاں بھی رہو علم دین کے ساتھ علم دنیا بھی سیکھو۔ تاکہ شعوری استعداد میں اضافہ ہو اور اس علمی استعداد سے اللہ کی مخلوق کو فائدہ پہنچاؤ۔

۶) اللہ کی پسندیدہ عادت مخلوق کی خدمت کرنا ہے۔ سالک کو چاہئے کہ بغیر غرض کے اللہ کی مخلوق کی خدمت کرے۔ جب کوئی بندہ مخلوق کی مخلصانہ خدمت کرتا ہے تو اسے اللہ کی دوستی کا شرف حاصل ہو جاتا ہے اور اللہ کے دوستوں کو خوف اور غم نہیں ہوتا۔

www.ksars.org

۷) قرآن ان لوگوں کی رہنمائی کرتا ہے جو متقی ہیں اور متقی وہ لوگ ہیں جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور ایمان مشاہدہ سے مشروط ہے۔

۸) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے محبوب ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب سے محبت کرتے ہیں۔ جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے درجے بلند کرتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے فرستادہ بندے اور رسول ہیں۔ اس ذات مبارک صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنا ہر انسان پر فرض ہے۔

۹) اولیاء اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے اللہ کے دوست ہیں۔ جب کوئی بندہ اللہ کے دوست سے دوستی نبھاتا ہے اور ان کی قدر و منزلت کرتا ہے تو ایسے بندوں پر رحمت کی بارش برستی ہے۔

انسان جس جسمانی وجود سے اس دنیا میں چلتا، پھرتا، کھاتا، پیتا ہے اور دوسرے مشاغل میں مصروف رہتا ہے وہ فانی ہے۔ ہر انسان کی اصل اس کی روح ہے۔ روح کا ادراک ہونے سے انسان اپنی اصل سے واقف ہو جاتا ہے اور اپنی اصل سے واقفیت ہی عرفان الٰہی کا وسیلہ ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''نیکی یہ نہیں کہ تم نماز میں اپنا منہ مشرق (بیت المقدس) مغرب (خانۂ کعبہ) کی طرف کرو بلکہ اصل نیکی یہ ہے کہ اللہ پر، قیامت پر، فرشتوں پر، کتابوں پر اور پیغمبروں پر ایمان لائے اور خواہش کے باوجود اللہ کی محبت میں اپنا مال، رشتے داروں، یتیموں، غریبوں، مسافروں، مانگنے والوں اور غلاموں کو آزاد کرانے میں خرچ کرے، نماز ادا کرتا رہے، زکوٰۃ دیتا رہے اور جو وعدہ کرے اپنے وعدے کو پورا کرتا رہے اور جو مصیبت، تکلیف اور پریشانی میں ثابت قدم رہتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جو راست باز ہیں اور یہی تقویٰ ہے''(سورۃ البقرہ: آیت ۱۷۷)

آیت کی تفہیم یہ ہے کہ راست بازی اور تقویٰ کا پہلا نتیجہ جس طرح ایمان ہے اس ہی طرح دوسرا لازمی نتیجہ بہترین اوصاف، فیاضی، ایفائے عہد اور صبر و ثبات وغیرہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''اور رحم والے اللہ کے بندے وہ ہیں جو زمین پر دبے پاؤں چلتے ہیں اور جب نا سمجھ لوگ ان سے بات کریں تو وہ سلام کہیں اور جو اپنے پروردگار کی عبادت کی خاطر قیام اور سجدے میں رات گزارتے ہیں اور جو کہتے ہیں کہ اے ہمارا پروردگار ہم سے جہنم کا عذاب دور کر کہ اس کا عذاب بڑا تاوان ہے اور جہنم برا ٹھکانہ اور مقام ہے اور جو خرچ کرتے ہیں وہ فضول خرچ نہ کریں اور نہ تنگی کریں بلکہ ان دونوں کے درمیان اور جو اللہ کے ساتھ کسی اور کو نہیں پکارتے اور جو کسی جان کا بے گناہ خون نہیں کرتے، جس کو اللہ نے منع کیا ہے اور نہ بدکاری کرتے ہیں اور جو ایسا کرے گا وہ گناہ سے پیوست ہوگا''(سورۃ فرقان: آیت ۶۲تا۶۳)

''اور جو جھوٹے کام میں شامل نہیں ہوتے اور جب کسی لغویات سے گزر رہے ہوں تو سنجیدگی اور وقار سے گزر جاتے ہیں اور جب اللہ کی نشانیاں ان کو سنائی جاتی ہیں تو وہ اندھے اور بہرے ہو کر ان کو نہیں سنتے اور یہ دعا مانگتے ہیں۔ اے ہمارے پروردگار ہم کو ہمارے بیوی بچوں سے آنکھ کی ٹھنڈک بخش اور ہم کو پرہیزگاروں کا پیشوا بنادے''(سورۃ فرقان: آیت ۷۱تا۷۴)

اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی اہل ایمان (یعنی صاحب مشاہدہ خواتین و حضرات) کے اخلاقی اوصاف اس طرح بیان کرتے ہیں:

www.ksars.org

اور وہ اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں اور بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے پرہیز کرتے ہیں اور جو غصے کی حالت میں معاف کرتے ہیں اور اپنے پروردگار کی پکار کا جواب دیتے ہیں (یعنی اللہ ان سے ہمکلام ہوتا ہے) نماز قائم کرتے ہیں (یعنی ان کا اللہ سے رابطہ ہوتا ہے) اور ان کے کام باہم مشورہ سے ہوتے ہیں اور ہم نے ان کو جو دیا ہے اس میں سے کچھ خدا کی راہ میں دیتے ہیں اور جو ان پر چڑھائی ہو تو وہ بدلہ لیتے ہیں اور برائی کا بدلہ ویسے ہی برائی ہے تو جو کوئی معاف کردے اور نیکی کرے تو اس کا درجہ اللہ کے ذمہ ہے، وہ ظلم کرنے والوں کو پیار نہیں کرتا۔ اگر مظلوم ہو کر بدلہ لے تو اس پر کوئی ملامت نہیں، ملامت تو ان پر ہے جو لوگوں پر از خود ظلم کرتے ہیں اور زمین میں ناحق فساد برپا کرتے ہیں ان کے لئے بڑا دردناک عذاب ہے، بلاشبہ جو مظلوم ہونے پر بھی ظالم کو معاف کردے اور سختی سہہ لے تو یہ ہمت کے کام ہیں"(سورۃالشوریٰ: آیت ۳۶تا۴۳)

"یہ وہ ہیں جن کو دوہرا اجر ملے گا، اس لئے کہ انہوں نے صبر کیا اور وہ برائی کو بھلائی سے دور کرتے ہیں اور جو ہم نے دیا ہے اس میں سے خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور جب کوئی بیہودہ بات سنتے ہیں، اس سے کنارہ کشی اختیار کرلیتے ہیں، کہہ دیتے ہیں کہ ہمارے لئے ہمارا عمل اور تمہارے لئے تمہارا عمل ہے، تم سلامت رہو ہم ناسمجھوں کو نہیں چاہتے"(سورۃالقصص: آیت ۵۴تا۵۶)

"اور کھانے کی خود ضرورت ہوتے ہوئے مسکین، یتیم اور قیدی کو کھلادیتے ہیں"(سورۃ دہر۔ آیت ۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں جو دعا مانگتے تھے اس میں یہ جملہ بھی ہوتا تھا:

"اے میرے اللہ! تو مجھ کو بہتر سے بہتر اخلاق کی رہنمائی عطا کر، تیرے سوا کوئی بہتر سے بہتر اخلاق کی راہ نہیں دکھا سکتا اور برے اخلاق کو مجھ سے پھرا دے اور ان کو نہیں پھیر سکتا لیکن تو"۔

www.ksars.org

نظام کائنات اور روحانی سائنس

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور انبیائے کرام علیہم السلام کی تعلیمات ہمیں اس طرف متوجہ کرتی ہیں کہ ہر انسان دو رخوں سے مرکب ہے۔

انسان کا ایک رخ جسمانی رخ ہے اور دوسرا رخ روحانی جسم ہے۔ مادی جسم کی تعریف یہ ہے کہ اس میں ہر لمحہ ٹوٹ پھوٹ ہوتی رہتی ہے۔ مٹی کا جسم فنا ہو کر مٹی میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ روحانی جسم اللہ کا امر ہے۔ ہر مادی وجود کی حرکت روحانی وجود کے تابع ہے۔ مادی وجود روحانی وجود کے تابع ہو کر حرکت کرتا ہے۔ روح اگر جسمانی وجود سے رشتہ منقطع کر لے تو مادی وجود میں کسی بھی طرح کی حرکت نہیں ہوتی۔ کھانا پینا، چلنا پھرنا، غم اور خوشی سے متاثر ہونا، شادی بیاہ اس ہی وقت ممکن ہے جب روح جسم کو سہارا دے۔ دنیا ہزاروں سال سے موجود ہے۔ ہزاروں سال کی تاریخ میں ایک بھی مثال نہیں ہے کہ کسی مردہ جسم نے کوئی ایجاد کی ہو۔ یا مردہ اجسام سے کوئی اور انسانی عمل سرزد ہوا ہو۔

آسمانی کتابوں اور قرآن حکیم میں اس بات کو وضاحت سے بیان کیا گیا ہے کہ یہ دنیا عارضی دنیا ہے۔ اس دنیا کے بعد ایک اور دنیا ہے جس میں جا کر ہمیں اپنے اعمال کی سزا یا جزا کے مطابق زندگی گزارنی ہے۔ جس طرح اس دنیا کے بعد دوسری دنیا عالم آخرت ہے۔ اسی طرح اس دنیا میں آنے سے پہلے بھی ایک دنیا ہے۔ جہاں سے ہم آئے ہیں۔ اس دنیا کا نام عالم ارواح ہے۔

سورہ رحمٰن میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

”اے گروہ جنات اور گروہ انسان! تم آسمان اور زمین کے کناروں سے نکل کر دکھاؤ، تم نہیں نکل سکتے مگر سلطان سے۔“ (آیت نمبر ۳۳)

تصوف میں سلطان کا مطلب چھ شعوروں پر غلبہ حاصل کرنا ہے، کوئی انسان زمینی شعور پر رہتے ہوئے چھ شعوروں پر غلبہ حاصل کر لے تو وہ زمینی شعور سے باہر نکل سکتا ہے۔ ہر آسمان ایک شعور ہے آسمانی دنیا کو پہچاننے کے لئے ان شعوروں پر غلبہ حاصل کرنے کے لئے آسمانی دنیا سے واقفیت ہونا ضروری ہے۔ جب انسان ساتویں شعور کا ادراک حاصل کر لیتا ہے تو اس میں عرشِ معلیٰ دیکھنے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔

مثال

بورڈ کے اوپر گھڑی بنی ہوئی ہے، گھڑی میں سوئی کے ساتھ ایک سے بارہ تک ہندسے لکھے ہوئے ہیں ہندسے جس جگہ لکھے ہوئے ہیں وہ اسپیس ہے سوئی کا گھومنا ٹائم ہے، اگر سوئی کو اتنی رفتار سے گھمایا جائے کہ وہ پلک جھپکنے سے پہلے ۱۲ سے ۶ کے ہندسے پر پہنچ جائے تو شعور پردے میں چلا جائے گا اور جو شعور ایک، دو، تین کے وقفوں سے گزر کر چھ تک پہنچتا ہے وہ حذف ہو جائے گا۔ یعنی ذہن کی رفتار اتنی تیز ہو جائے گی کہ اسپیس کے وقفے نظر انداز ہو جائیں گے۔ اور جب سوئی کو اس طرح گھمایا جائے کہ وہ پلک جھپکنے سے پہلے بارہ پر پہنچ جائے تو ذہن کی رفتار اتنی زیادہ ہو جائے گی کہ ایک سے بارہ تک وقفوں کو نظر پھلانگ جائے گی۔

www.ksars.org

انسان کے اندر بیک وقت دو نظریں کام کر رہی ہیں۔ایک نظر وقفہ وقفہ سے کام کرتی ہے اور دوسری نظر وقفوں کی نفی کر کے آگے اور بہت آگے دیکھتی ہے۔

ریورس میں بارہ سے گیارہ، گیارہ سے دس اور اسی طرح گزر کر ایک پر آجائے تو اسے وہ شعور حاصل ہو جائے گا جو پیدائش کے وقت تھا۔

اگر سوئی بارہ کے ہندسے سے ریورس ہو کر بیک وقت دس پر آجائے تو انسان کو وہ شعور حاصل ہو جاتا ہے جو اسے خواب دکھاتا ہے۔اگر سوئی بارہ سے اچھل کر نو پر آجائے تو اسے مراقبہ کا شعور حاصل ہو جاتا ہے۔اگر سوئی آٹھ پر آجائے تو اسے وہ شعور حاصل ہو جاتا ہے جس کو وحی کہتے ہیں۔اور یہ وہی وحی ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم نے شہد کی مکھی پر وحی کی۔اگر بارہ کے ہندسے پر قائم سوئی تیزی کے ساتھ حرکت کر کے ایک دم سات پر آجائے تو انسان کے اوپر کشف کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور اگر سوئی چھ پر آجائے تو انسان کے اندر وہ صلاحیت پیدا ہوتی ہے جس کو قرآن نے سلطان کہا ہے۔یعنی اب انسان زمین کے کناروں سے باہر نکل سکتا ہے۔

زمین کے کناروں سے باہر دیکھنے کی صلاحیت کے حامل سالک کے اندر پہلے آسمان کا شعور پیدا ہو جاتا ہے۔ علیٰ ہذالقیاس اس طرح سات آسمانوں کو وہ دیکھ لیتا ہے اور سات آسمانوں میں وہ داخل بھی ہو جاتا ہے۔

اللہ کریم نے فرمایا!

''ہم نے آسمان اور زمین کو تہہ در تہہ بنایا ہے''۔

''اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان بنائے اور زمین کی قسم بھی انہی کی مانند ہے''۔

''اور تمہارے اوپر ہم نے سات راستے بنائے تخلیق کے کام سے ہم اچھی طرح واقف ہیں''۔(سورۃالمومنون:آیت نمبر ۱۷)

تہہ در تہہ سے مراد دراصل وہ شعوری صلاحیتیں ہیں جو اللہ نے انسان کو ودیعت کی ہیں۔سات تہوں والے آسمانوں یا زمین سے مراد یہ ہے کہ ہر تہہ ایک مکمل نظام ہے اور ہر نظام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ایسا ضابطہ حیات جس کا ایک دوسرے سے تصادم نہیں ہوتا۔ان سب کا رشتہ خالق کائنات کے ساتھ قائم ہے۔

تمام چیزیں اور مخلوقات اس بات کا علم رکھتی ہیں کہ ہمارا خالق اللہ ہے اور اس علم پر یقین رکھتے ہوئے اللہ کی حمد و ثناء بیان کرتی ہیں اور شکر ادا کرتی ہیں۔

اربوں کھربوں سے زیادہ ان چیزوں یا مخلوقات میں سے کوئی ایک مخلوق بھی اللہ کی خالقیت سے انحراف کرے تو نظام زندگی میں خلل واقع ہو جاتا ہے۔

یہی بات اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے کہ تمام چیزیں جو آسمانوں میں اور زمین میں ہیں اللہ کی حمد بیان کرتی ہیں یعنی اللہ کی خالقیت سے انحراف نہیں کرتیں۔

سوال یہ ہے کہ:

ہمارے اشغال و اعمال جو جسمانی اعضاء کے ذریعے صادر ہوتے ہیں کہاں تخلیق پاتے ہیں؟۔۔۔اور۔۔۔۔

ان کی تخلیق کس طرح ہوتی ہے۔

صوفیاء حضرات بتاتے ہیں کہ:

www.ksars.org

کسی شے کی ماہیت کی طرف رجوع کیا جائے۔ یہ ماہیت شخص اکبر کا خاصہ ہے۔ اور شخص اکبر تمام مخلوقات کی مختلف انواع کا مجموعہ ہے جن میں سے ہم کتنی ہی انواع و مخلوقات کو پہچان سکتے ہیں۔ شیر، گھوڑا، شاہین، ستارے، چاند، سورج، زمین، آسمان، جن، فرشتے، انسان، ہوا، پانی، چاندی، سونا، جواہرات، کنکر پتھر، پہاڑ، سمندر، سبزہ اور حشرات الارض ان میں سے ہر ایک، ایک نوع یا مخلوق ہے۔ ان کی نوع یا نوعیت ہی ان کی ماہیت ہے۔ اس ماہیت کا وقوع ہمیشہ ایک ہی طرز پر ہوتا ہے۔ جیسے شیر ایک شکل و صورت اور ایک خاص طبیعت رکھتا ہے۔ اس کی آواز بھی مخصوص ہے۔ یہ چیزیں اس کی پوری نوع پر مشتمل ہیں۔ بالکل اسی طرح انسان بھی خاص شکل و صورت، خاص عادتیں اور خاص صلاحیتیں رکھتا ہے لیکن یہ دونوں اپنی ماہیتوں میں ایک دوسرے سے بالکل جدا ہیں۔ البتہ دونوں میں یکساں تقاضے پائے جاتے ہیں۔ یہ اشتراک نوع کی ماہیت میں نہیں بلکہ ماہیت کی "اصل" میں ہے

اس قانون سے ہمیں روح کے دو حصوں کی معلومات حاصل ہوتی ہیں۔

۱) ہر نوع کی جداگانہ ماہیت

۲) تمام انواع کی واحد ماہیئت۔

یہی واحد ماہیئت روح اعظم اور شخص اکبر ہے۔ اور ہر نوع کی جداگانہ ماہیئت شخص اصغر ہے اور اسی شخص اصغر کے مظاہر فرد کہلاتے ہیں مثلاً تمام انسان شخص اصغر کی حدود میں ایک ہی ماہیئت ہیں۔

ایک شیر دوسرے شیر کو بحیثیت شیر کے شخص اصغر کی صلاحیت سے شناخت کرتا ہے مگر یہی شیر کسی آدمی کو یا دریا کے پانی کو یا اپنے رہنے کی زمین کو یا سردی گرمی کو شخص اکبر کی صلاحیت سے شناخت کرتا ہے۔ اصغر ماہیئت کی صلاحیت ایک شیر کو دوسرے شیر کے قریب لے آتی ہے۔ لیکن شیر کو جب پیاس لگتی ہے اور وہ پانی کی طرف مائل ہوتا ہے تو اس کی طبیعت میں یہ تحریک اکبر ماہیئت کی طرف سے ہوتی ہے اور وہ صرف اکبر ماہیئت کی بدولت یعنی شخص اکبر کی وجہ سے یہ بات سمجھتا ہے کہ پانی پینے سے پیاس رفع ہو جاتی ہے۔

چنانچہ ذی روح یا غیر ذی روح ہر فرد کے اندر اکبر صلاحیت ہی اجتماعی زندگی کی فہم رکھتی ہے۔ ایک بکری سورج کی حرارت کو اس لئے محسوس کرتی ہے کہ وہ اور سورج شخص اکبر کی حدود میں ایک دوسرے سے الحاق رکھتے ہیں۔ اگر کوئی انسان شخص اکبر کی حدود میں فہم و فراست نہ رکھتا ہو تو وہ کسی دوسری نوع کے افراد کو نہیں پہچان سکتا نہ اس کا مصرف جان سکتا ہے۔ جب آدمی کی آنکھ ستاروں کو ایک مرتبہ دیکھ لیتی ہے تو اس کا حافظہ ستاروں کی نوع کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اپنے اندر محفوظ کر لیتا ہے۔ حافظہ کو یہ صلاحیت شخص اکبر سے حاصل ہوتی ہے لیکن جب کوئی انسان اپنی نوع کے انسان کو دیکھتا ہے تو اس کی طرف ایک کشش محسوس کرتا ہے۔ یہ کشش شخص اصغر کا خاصہ ہے۔ یہاں سے اصغر ماہیئت اور اکبر ماہیئت کی تخصیص ہو جاتی ہے۔ اکبر ماہیئت کشش بعید کا نام ہے اور اصغر ماہیئت کشش قریب کا نام ہے۔

روحانی دنیا میں غیر ارادی حرکت کا نام کشش اور ارادی حرکت کا نام عمل ہے۔ غیر ارادی تمام حرکات شخص اکبر کے ارادے سے واقع ہوتی ہے۔ لیکن فرد کی تمام حرکات فرد کے اپنے ارادے سے عمل میں آتی ہیں۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اللہ سماوات اور ارض کی روشنی ہے۔ اس کی تشریح یہ ہے کہ تمام موجودات ایک ہی اصل سے تخلیق ہوئی ہیں، خواہ وہ موجودات بلندی کی ہوں یا پستی کی ہوں۔

www.ksars.org

مذاہب عالم نے کسی نہ کسی طرح ایک نظر نہ آنے والی روشنی کا تذکرہ کیا ہے۔ایسی روشنی جو ساری روشنیوں کی اصل ہے اور تمام موجودات میں موجود ہے۔انجیل میں ہے:

''خدانے کہا روشنی اور روشنی ہو گئی۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وادیٔ سینا میں سب سے پہلے جھاڑی میں روشنی کا مشاہدہ کیا اور اسی روشنی کی معرفت اللہ کے کلام سے مشرف ہوئے۔ہندومت میں اسی روشنی کا نام ''جوت'' ہے۔

تصوف کے مطابق کائنات کی تخلیق کا بنیادی عنصر نور ہے۔جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد ہوا ہے کہ:

''اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔''(سورہ نور آیت نمبر ۳۵)

نور اس خاص روشنی کا نام ہے جو خود بھی نظر آتی ہے اور دوسری روشنیوں کو بھی دکھاتی ہے۔روشنی، لہریں، رنگ، ابعاد یہ سب نور کی گوناگوں صفات ہیں۔نور کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ بیک وقت ماضی اور مستقبل دونوں میں سفر کرتا ہے اور ماضی و حال کا ربط قائم رکھتا ہے۔اگر یہ ربط قائم نہ رہے تو کائنات کا رشتہ ماضی سے منقطع ہو جائے گا۔

بیشک زمین و آسمان کی پیدائش رات اور دن کے بار بار ظاہر ہونے اور چھپنے میں ان عقلمندوں کے لے نشانیاں ہیں جو لوگ اٹھتے، بیٹھتے، لیٹتے اللہ کو یاد کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں غور و فکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے اللہ تو نے یہ سب فضول اور بے مقصد نہیں بنایا اور ہمیں دوزخ کی آگ سے محفوظ کر دے۔''(سورۃ آل عمران۔آیت نمبر ۱۹۰)

عظیم روحانی سائنسدان قلندر بابا اولیاء نے سربستہ رازوں سے پردہ اٹھایا ہے۔انہوں نے انکشاف کیا ہے کہ "روح" تجلی، نور اور روشنی سے مرکب ہے۔

کائنات میں ہر فرد، قدرت کا بنا ہوا ایک کمپیوٹر ہے۔اور اس کمپیوٹر میں کہکشانی نظاموں سے متعلق تمام اطلاعات فیڈ ہیں اور کمپیوٹر ڈسک کی طرح یہ اطلاعات ہر کمپیوٹر میں ذخیرہ ہیں۔کہکشانی نظاموں میں جاری و ساری یہ اطلاعات، لہروں کی دوش پر ہر لمحہ سفر کرتی رہتی ہیں۔ہر موجود شے کا دوسری موجود شے سے لہرون کے ذریعہ اطلاعات کا تبادلہ ہوتا رہتا ہے۔سائنس دان روشنی کو زیادہ سے زیادہ تیز رفتار قرار دیتے ہیں۔لیکن وہ اتنی تیز رفتار نہیں ہے کہ زمانی مکانی فاصلوں کو منقطع کر دے۔زمانی اور مکانی فاصلے لہروں کی گرفت میں رہتے ہیں۔اگر کسی فرد کے ذہن میں جنات، فرشتوں اور آسمانوں اور زمین سے متعلق اطلاعات کا تبادلہ نہ ہو تو، انسان فرشتوں، جنات، درخت، پہاڑ، سورج اور چاند کا تذکرہ نہیں کر سکتا۔کہکشانی نظام اور کائنات میں جتنی بھی نوعیں اور نوعون کے افراد ان کے خیالات کی لہریں ہمیں منتقل ہوتی رہتی ہیں۔اسی طرح ہماری زندگی سے متعلق تمام خیالات لہروں کے ذریعے ہر مخلوق کو منتقل ہوتے رہتے ہیں۔یہ الگ بات ہے کہ انسان کے علاوہ دوسری مخلوقات اس قانون سے واقف نہ ہوں۔

خیالات کی منتقلی ہی دراصل کسی مخلوق کی پہچان کا ذریعہ بنتی ہے۔ہم کسی آدمی یا کسی مخلوق کے فرد سے اس لئے متاثر ہوتے ہیں کہ مخلوق کے فرد کی لہریں، ہمارے اندر دور کرنے والی لہروں میں جذب ہو رہی ہیں۔انسان کا لاشعور کائنات کے دور دراز گوشوں سے مسلسل رابطہ رکھتا ہے۔اس ربط کے ذریعے انسان اپنا پیغام کائنات کے ہر ذرہ تک پہنچا سکتا ہے اور دوسروں کے خیالات سے آگاہ ہو سکتا ہے۔بات صرف اتنی ہے کہ انسان اس قانون سے واقف ہو جائے کہ کائنات کی تمام مخلوق کا خیالات کی لہروں کے ذریعہ ایک دوسرے سے رابطہ اور تعلق ہے۔خیال اس اطلاع کا نام ہے جو ہر آن اور ہر لمحہ زندگی سے قریب کرتی ہے یا دنیاوی زندگی سے دور کر دیتی ہے۔

www.ksars.org

"پاک اور بلند مرتبہ ہے وہ ذات جس نے مقداروں کے ساتھ تخلیق کیا اور پھر اس تخلیقی فارمولوں سے آگاہ کیا" (سورۃ اعلیٰ۔ آیت نمبر ۱تا۳)

اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شئے کو معین مقداروں (ایٹم) سے بنایا ہے اور معین مقداریں دراصل اس شئے کے ظاہر اور باطن میں کام کرنے والی صلاحیتیں ہیں جو ایک قانون اور Discipline کے تحت ایک واحد ہستی کی نگرانی میں برقرار ہیں۔ بڑے بڑے اجرام سماوی معمولی اور ننھے سے ایٹم، ایٹم کے اندرونی خول یا اجزاء الیکٹران، پروٹان اور نیوٹران اس ذات واحد کی نظروں کے سامنے ہیں۔ کوئی بھی ذرہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا اس کے احاطہ قدرت سے باہر نہیں۔

قرآن پاک میں ارشاد ہے:

"وہ ہر پوشیدہ چیز سے واقف ہے۔ اس کے علم سے کوئی رتی برابر چیز باہر نہیں۔ وہ چیز آسمانوں میں ہو یا زمین میں اور ان تمام چھوٹی بڑی چیزوں کا اور ان چیزوں کی تمام اقسام کے فارمولے کھلی کتاب میں موجود ہیں۔" (سورۃ سبا۔ آیت نمبر ۱تا۷)

ذرات کی تین قسمیں:

سورۃ سبا کی اس آیت میں تین قسم کے ذرات کا بیان ہوا ہے:

۱) رتی برابر ذرہ

۲) اس سے چھوٹا

۳) نسبتاً اس سے چھوٹا

تخلیق میں تین قسم کے ذرات پائے جاتے ہیں۔ ایک ایٹم دوسرے ایٹم کے اندرونی اجزاء اور سوئم ایٹم کے مرکبات۔

۱) "مثقال ذرہ" یعنی وہ رتی برابر چیز ہے جس میں وزن پایا جاتا ہو۔ سب جانتے ہیں کہ رتی چھوٹے سے وزن کا تشخص ہے۔ ذرہ برابر چیز کا مطلب یہ ہوا جس میں کوئی وزن ہو اور معین مقدار یا مقداریں ہوں۔ ایٹم چونکہ ایک ایسی اکائی ہے جس کے اندر الیکٹران، پروٹان، نیوٹران موجود ہیں۔ اس لئے اس میں مقدار اور وزن دونوں ہیں۔

۲) اس سے چھوٹا یعنی ایٹم سے نسبتاً چھوٹا الیکٹران، پروٹان اور نیوٹران وغیرہ اور ایٹموں کے مرکزوں سے خارج ہونے والی الفاء، بیٹا اور گاما شعاعیں۔

۳) اور اس سے بڑا (ایٹم سے بڑا) یعنی قیامت تک دریافت ہونے والے ہر ایٹم کے ذرات اور اجزاء خواہ وہ کتنے ہی چھوٹے ہوں اور کتنے ہی بڑے ہوں۔

قرآن میں تفکر کرنے سے انسان کی نظر میں اتنی وسعت پیدا ہو جاتی ہے کہ ایٹم کی اکائی میں روشنی کے جال کو دیکھ لیتی ہے۔ ایک صوفی یہ جان لیتا ہے کہ ایٹم کا، ایٹم کے اندرونی اجزاء اور ارض و سماء کا خالق ایک ہے اور پوری کائنات اس کی ملکیت ہے۔ اس نے اس کائناتی سسٹم کو ایک ضابطہ کے ساتھ تخلیق کیا ہے اور ہر چیز کو معین مقداروں کے ساتھ وجود بخشا ہے۔

مقداروں کا یہ علم وہ لوگ سیکھ لیتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق:

"اور وہ جن لوگوں نے میرے لئے یعنی میری تخلیق کو جاننے کے لئے جدوجہد اور کوشش کی میں انہیں اپنے راستے دکھاتا ہوں۔"

(سورۃ عنکبوت۔ آیت نمبر ۶۹)

www.ksars.org

مرشد کی نگرانی میں تصوف کے اسباق کی تکمیل کرنے والا فرد جب ان مقداروں سے واقف ہو جاتا ہے جو اشیاء کی تخلیق میں کام کر رہی ہیں تو وہ مقداروں کو کم و بیش کر کے شئے میں ماہیت قلب کر سکتا ہے۔ مقداروں کا علم اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ دھات سیسہ (Lead) میں ایسی مقداریں موجود ہیں جو ایٹم کی قوت پر غالب آسکتی ہیں۔

لہروں کا جال:

کائنات چار نہروں یا چار توانائیوں سے فیڈ ہو رہی ہے۔

۱۔نہر تسوید ۲۔نہر تجرید ۳۔نہر تشہید ۴۔نہر تظہیر

یورینیم اور لیڈ دونوں دھاتیں تسویدی لہروں سے فیڈ ہوتی ہیں۔ لیڈ کے اوپر ایسی لہروں کا غلاف بنا ہوا ہے کہ اگر اسے تلاش کر لیا جائے تو دنیا ایٹم کی ہلاکت خیزی سے محفوظ رہ سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"زمین اور آسمان اور اس کے اندر جو کچھ بھی ہے۔ سب کا سب انسانوں کے لئے مسخر کر دیا گیا ہے۔"

(سورۂ جاثیہ۔ آیت نمبر ۱۳)

اس کا مفہوم یہ ہے کہ انسان زمین و آسمان میں موجود کسی بھی شئے کے اندر جب تفکر کرے گا تو اس شئے کے اندر کام کرنے والی مقداروں کا علم اسے حاصل ہو جائے گا۔ مختصر یہ کہ ایٹم مقداروں کا ایک مرکب ہے اور یہ مقداریں مادیت کی اکائی ہیں۔ مادیت کی ہر اکائی نور کے غلاف میں بند ہے۔ نور کے اوپر روشنی کا غلاف ہے۔ روشنی کی رفتار ایک سیکنڈ میں ایک لاکھ چھیاسی ہزار دو سو بیاسی میل بتائی جاتی ہے۔ روشنی کی رفتار سے ہزاروں گنا نورانی لہروں کی رفتار ہے۔ نور اور روشنی مرکب اور مفرد دو لہروں کا ایک جال ہے جس کے اوپر چھوٹے سے چھوٹا اور بڑے سے بڑا ذرہ بنا ہوا ہے۔ صوفی جب روشنی کی سطح سے نکل کر نور میں داخل ہو جاتا ہے تو چھوٹے سے چھوٹے ذرہ میں ناقابل بیان طاقت (Energy) اس کے اوپر منکشف ہو جاتی ہے۔

موجودہ سائنسی ترقی میں جو عوامل کام کر رہے ہیں ان میں انفرادی سوچ اور مادی مفاد کا عمل دخل ہے۔ اس لئے یہ ساری ترقی نوع انسانی کے لئے پریشان اور بے سکونی کا پیش خیمہ بن گئی ہے۔ اگر یہی ترقی اور ایجاد پیغمبرانہ طرز فکر کے مطابق ہو جائے تو سائنس نوع انسانی کے لئے سکون و آشتی کا گہوارہ بن جائے گی۔ فی الوقت صورتحال یہ ہے کہ ترقی کا فسوں انسانی نسل کو آتش فشاں کے کنارے لے آیا ہے۔ اگر اس کا مثبت تدارک نہ کیا گیا تو یہ دنیا کسی بھی وقت بھک سے اڑ جائے گی۔ قانون یہ ہے کہ جو چیز وجود میں آجاتی ہے اس کا استعمال ضرور ہوتا ہے۔

موجودہ سائنسدان اور صوفی سائنسدان میں یہ فرق ہے کہ سائنٹسٹ کے پیش نظر پہلے اپنا مفاد ہوتا ہے اور صوفی کا علم مخلوق کے لئے وقف ہوتا ہے۔ کائناتی نظام کو سمجھنے کی صلاحیت کو تصوف میں مغیبات اکوان کہتے ہیں۔ مغیبات اکوان کے حامل صوفی خواتین و حضرات کے اندر اتنی وسعت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ ہزاروں سال پہلے کے گزرے ہوئے حالات و واقعات اور ہزاروں سال بعد آنے والے حالات و واقعات کو دیکھ لیتے ہیں اور اس کی تفصیلات سے باخبر ہو جاتے ہیں۔

سائنس کے بقول انسان پانچ ارب سالوں میں انسانی صلاحیتوں کا پانچ سے دس فیصد تک استعمال جان سکا ہے۔ اس ترقی کو کیسے ترقی کے عروج کا زمانہ کہا جا سکتا ہے؟

www.ksars.org

سائنس دان یہ بھی کہتے ہیں کہ پہلے زمانے میں ایسی ایجادات ہو چکی ہیں۔ جن ایجادات کے فارمولوں سے آج کی سائنس ابھی تک واقف نہیں ہوئی ہے۔ آسمانی کتابوں انجیل، توریت، زبور اور قرآن حکیم کا مطالعہ کیا جائے تو سب کتابیں یہ درس دیتی ہیں کہ انسان دو رخوں سے مرکب ہے۔ ایک رخ مادی جسم ہے اور دوسرا رخ روحانی جسم ہے۔ مادی جسم ماں کے بطن میں آنے کے بعد بنتا ہے۔ اسی کو شعور کہتے ہیں۔ اور روحانی جسم، ماں کے پیٹ میں آنے سے پہلے سے موجود ہے۔ اس کا لاشعور سے تشبیہہ دی جاتی ہے۔

اگر انسان شعور میں رہتے ہوئے، ریسرچ اور تلاش کرتا ہے تو وہ اربوں سال میں پانچ سے دس فیصد صلاحیتوں سے واقف ہوتا ہے اور اگر انسان اپنی روح سے واقف ہو کر لاشعور میں ریسرچ اور تلاش کرتا ہے تو اس کے اوپر قلیل عرصے میں باقی نوے فیصد صلاحیتیں بھی منکشف ہو سکتی ہیں۔ زمان اور مکان کے فارمولوں کا انکشاف اس کے لئے آسان ہو جاتا ہے۔ قرآن حکیم کا ارشاد ہے:

''ہر چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی بات کو قرآن میں وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے۔ ''(سورۃ سبا۔ آیت نمبر ۳)

www.ksars.org

قرآن وسنت کی روشنی میں شیطانی قوتوں پر غلبہ حاصل کرنے کا طریقہ

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

"یقیناً تمہارے لئے اللہ کے رسول ؐ میں ایک نہایت اعلیٰ نمونہ ہے"(الاحزاب:۲۱)

آیتِ کریمہ میں "لکم"(تمہارے لئے) کا لفظ اس طرف اشارہ ہے کہ رسول اللہؐ کی سیرتِ طیبہ کسی خاص گروہ، قبیلہ یا قوم کے لئے مخصوص نہیں ہے بلکہ قیامت تک پیدا ہونے والے ہر انسان کے لئے کامل نمونہ ہے۔

لِّمَنْ كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا

"ہر اس شخص کے لئے (رسول اللہؐ کی حیاتِ طیبہ میں اعلیٰ نمونہ ہے) جو اللہ اور یومِ آخر کا امیدوار ہو اور کثرت سے اللہ کو یاد کرے۔"(الاحزاب:۲۱)

دینِ حنیف میں ایمان کی عمارت کے تین بنیادی ستون ہیں۔۔ایمان باللہ یا توحید۔۔ایمان بالآخرۃ۔۔اور ایمان بالرسالت۔یہ تینوں یقین ایک دوسرے مربوط ہیں۔اگر آدمی توحید کی بجائے شرک پر کاربند ہے تو وہ اللہ کے محبوب کی ذاتِ اقدس کو اپنے لئے نمونہ نہیں بنا سکتا۔جو شخص اللہ کی رضا کا امیدوار ہے، ہر کام اور ہر معاملہ میں اللہ کے احکامات اور اس کے اوامر ونواہی کا اہتمام کرتا ہے، زبان وقلب سے اللہ کو کثرت سے یاد کرتا ہے، اُسے یقین ہے کہ وہ دن آکر رہے گا جس روز جزاو سزا کے فیصلے ہونگے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اتباعِ رسول کی اہمیت واضح کر دی ہے۔

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ قُلْ أَطِيعُوا اللهَ وَالرَّسُولَ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ

"کہہ دو اگر تم محبت رکھتے ہو اللہ سے تو اتباع کرو میرا، محبت کرے گا تم سے اللہ اور معاف کر دے گا تمہارے گناہ اور اللہ تو ہے ہی بڑا معاف کرنے والا نہایت رحم کرنے والا۔کہہ دو اطاعت کرو اللہ کی اور رسول کی پھر اگر منہ موڑیں (تو وہ کافر ہیں) اور بے شک اللہ نہیں پسند کرتا کافروں کو۔"(الاحزاب:۲۱)

آیتِ مبارکہ میں اللہ کی اطاعت اور محبت کو رسول اللہؐ کی اطاعت ومحبت کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے۔اللہ کی اطاعت اور اللہ کی محبت کا ماحصل عبادت ہے۔جبکہ رسول کی اطاعت اور رسول کی محبت کا ماحصل "اتباع" کہلاتا ہے۔عبادت کا مفہوم، "انتہائی محبت کے جذبے سے سرشار ہو کر اللہ کی بندگی اور پرستش کرنا"۔۔اور اتباع کا مفہوم یہ ہے کہ "محبت کے جذبے سے سرشار ہو کر پیروی کرنا۔"

مکہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے جاں نثار صحابہ کرام نے سخت ترین مصیبتیں جھیلیں۔مشرکین کے جور وستم اور ایذارسانی نے جسم وروح کا رشتہ برقرار کھنا دوبھر کر دیا۔آپؐ کے ساتھیو کو مکہ کی سنگلاخ اور تپتی زمین پر لٹا کر سینے پر پتھر کی بھاری سل رکھ دی گئی اور گردن میں رسی ڈال کر گھسیٹا گیا۔اسلام کی اولین شہید ایک مؤمنہ کو انتہائی کمنگی سے مارا گیا کہ برچھی پشت کے پار ہو گئی۔ایک اور صحابی کے ہاتھ پیر اونٹوں کے ساتھ باندھ کر اونٹوں کو مخالف سمت میں ہانک دیا گیا۔خود رسول اللہؐ پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے گئے۔راہ میں کانٹے بچھائے گئے، سنگ باری کی گئی، جسم مبارک لہولہان ہوا۔آپؐ کے مکان میں نجاست ڈالنا اور راہ چلتے آپؐ پر گندگی پھینکنا عام بات تھی۔تمسخر، استہزاء اور طعن وتشنیع روز کا معمول تھا۔چچا اور چچی آپؐ کی جان کے دشمن تھے۔عبادت کے دوران گردن

www.ksars.org

میں چادر ڈال کر اس طرح بل دیئے گئے کہ آپ ؐ کا سانس گھٹنے لگا۔ سجدے کی حالت میں اونٹ کی نجاست بھری اوجھ سر اور گردن پر ڈال کر کس دی گئی۔

جسمانی تکالیف کے علاوہ رسول اللہ ؐ کو جو ذہنی اذیتیں دی گئیں اس کے تذکرہ سے نوعِ انسانی کا سر شرم و ندامت سے جھک جاتا ہے۔ جس معاشرہ میں بیٹیوں کو اس لئے زندہ درگور کر دیا جاتا تھا کہ بیٹی کا باپ کہلانا باعثِ ندامت تھا۔ جس معاشرہ میں اولادِ نرینہ سے محروم باپ ایک بے نشان فرد کی حیثیت سے زندگی گزارتا تھا۔ اُس معاشرے میں رسول اللہ ؐ کے دونوں صاحبزادے حضرت قاسم اور حضرت عبداللہ کم سنی میں انتقال کر گئے تو ابلیس کے نمائندوں نے رسول اللہ ؐ کے "بے نشان" ہو جانے کی خوشی میں جشن منائے۔ رسول اللہ ؐ کے دوسرے صاحبزادے کے انتقال کی خبر جب ابولہب کو ملی تو وہ خوشی سے چلاتا ہوا اور دوڑتا ہوا کفارِ مکہ کے پاس آیا اور کہا، "محمد ؐ ( ) ابتر ہو گئے، محمد ؐ ( ) ابتر ہو گئے۔" اس کے بعد جہاں سے بھی آپ ؐ کا گزر ہوتا مشرکینِ مکہ آوازیں کستے وہ دیکھو! محمد ؐ ( ) جا رہا ہے جو "ابتر" ہے۔ (ابتر کے لفظی معانی ایسے درخت کے ہیں جس کی جڑ کٹ گئی ہو، یعنی ایسا آدمی جس کی نسل کا سلسلہ منقطع ہو گیا ہو۔) معنی طور پر ابتر کا لفظ لوگوں کے لئے ہتک آمیز اور گالی کے مترادف تھا۔ بشری لحاظ سے دیکھا جائے تو اولاً اولاد کی جدائی کا دکھ، دوئم معاشرتی طرز یں، سوئم مخالفین کا خوشیاں منانا اور ڈھول تاشے پیٹنا، چہارم ہر گلی کوچے سے ابتر۔۔۔ ابتر کی صداؤں کا بلند ہونا۔۔۔ کس درجہ تکلیف دہ عمل ہے؟ کفار کی ہرزہ سرائیوں کا جواب رسول اللہ ؐ نے تو نہیں دیا لیکن اللہ نے اپنے محبوب کی تسلی و تشفی فرمائی اور سورۃ الکوثر نازل ہوئی۔

انا اعطینک الکوثر
فصل لربک و انحر
ان شانئک ھوالابتر

"ہم نے آپ ؐ کو کوثر عطا فرمایا۔ پس اپنے رب کے لئے صلوٰۃ قائم کیجئے اور قربانی دیجئے۔ بیشک آپ ؐ کے دشمن ہی ابتر ہیں۔"
(الکوثر "۳-۱)

شعب ابی طالب کی قید میں۔۔۔ ایسا وقت بھی آیا کہ کھانے کو کچھ نہیں تھا۔ بھوک اور پیاس کی شدت سے بنو ہاشم کے بچوں کی زبانیں خشک ہو گئیں اور حلق میں کانٹے پڑ گئے۔ موسم کی سختیوں نے جسم لاغر اور کمزور کر دیئے تھے۔ قوم کا اشرف ترین خاندان عُسرت، تنگدستی اور لاچاری کی زندگی گزارنے پر مجبور کر دیا گیا تھا، حتیٰ کہ بیماروں کو دوا اور مرنے والوں کو کفن تک میسر نہیں تھا۔

طائف کے سرداروں نے دعوتِ حق کو جس حقارت سے ٹھکرایا دنیا میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ نقل کفر کفر نہ باشد۔۔۔ ایک سردار نے کہا، تم جیسے مفلس و قلاش کے سوا اللہ کو رسول بنانے کے لئے کوئی اور نہیں ملا، اس طرح تو وہ گویا خود کعبہ کے غلاف کو چار کر رہا ہے۔۔۔ تمسخر اور بدتمیزی کا طوفان ہی کھڑا نہیں کیا گیا، انسانیت کو رسوا بھی کیا گیا۔ غنڈے آپ کے گرد جمع ہو گئے۔ شانِ اقدس میں صرف گستاخانہ جملے نہیں کسے گئے پتھر بھی برسائے گئے۔ جسمِ اطہر لہو میں نہا گیا، نعلین مبارک خون سے بھر گئیں۔ ایک موقع پر جب آپ ؐ ضعف کے مارے بیٹھ گئے تو وہ بدبخت غنڈوں نے بغلوں میں ہاتھ ڈال کر کھڑا کر دیا اور چلنے پر مجبور کیا تاکہ سنگ باری کا تماشہ جاری رہے۔ باقی لوگ کھڑے تالیاں پیٹتے رہے۔

حضرت عائشہ نے یومِ احد کے بعد رسول اللہ ؐ سے دریافت کیا، "یا رسول اللہ ؐ کیا اس سے زیادہ سخت دن بھی آپ ؐ کی زندگی میں آیا ہے۔" ارشاد ہوا۔۔۔ "ہاں! یومِ طائف میری زندگی کا سب سے زیادہ سخت دن تھا۔"

www.ksars.org

الہامی کتابیں رہنمائی کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ اپنے رسولوں کے ذریعہ نوع انسانی کو ایسا متوازن نظام عطا کیا ہے جو زندگی کے ہر شعبہ کا احاطہ کرتا ہے۔

"یقیناً بھیجا ہم نے اپنے رسولوں کو کھلی کھلی نشانیاں دے کر اور نازل کی ہم نے ان کے ساتھ کتاب اور میزان تاکہ قائم ہوں انسان انصاف پر۔" (الحدید:۲۵)

رسول اللہؐ نے ابلیس کے نمائندوں کے جانب سے قدم بقدم کھڑی کی گئی مشکلات کا مردانہ وار مقابلہ کر کے، مصائب و تکالیف برداشت کر کے اور ظلم وستم جھیل کر حقیقی نظامِ عدل قائم کر دیا۔ ایک ایسا system of social justice وجود میں آ گیا جس میں معاشرے کے ہر طبقے اور طبقے کے ہر فرد کے حقوق و فرائض کا تعین ہو گیا۔ زندگی کا ہر گوشہ اور ہر پہلو اللہ کے حکم کے تحت آ گیا۔

اللہ کے دین کی سربلندی اور سرفرازی کے لئے سر دھڑ کی بازی لگانا اور دعوتِ حق کے غلبہ کے لئے باطل قوتوں سے ٹکرا جانا، انبیائے کرام کی زندگی کا مقصد رہا ہے۔ انبیاء کرام کے پیروکار خواتین و حضرات جب تک اس مقصد کو اپنی زندگی کا مقصد نہیں بناتے، پیروی کا مفہوم پورا نہیں ہوتا۔

رسول اللہؐ کی سیرت طیبہ کے موضوع پر سینکڑوں کتابیں لکھی گئی ہیں۔ ان کتابوں میں حیاتِ مبارکہ کے ہر ہر پہلو کو وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے۔ سیرت کی کتب کا مطالعہ بھی ذوق وشوق سے کیا جاتا ہے اور نعرہ تحسین بھی بلند ہوتا ہے۔ سیرت کے ان شہ پاروں سے اخذ کردہ نتائج کو ہم اپنے لئے نمونہ بھی کہتے ہیں لیکن ہم اسوۂ رسول اللہؐ پر کما حقہ عمل نہیں کرتے۔

پہلی وحی کے نزول کے بعد جب رسول اللہؐ کے غارِ حرا سے اُتر کر گھر تشریف لائے تو آپؐ نے اپنی زوجہ محترمہ سے صرف اتنا فرمایا، "مجھے چادر اوڑھا دو، مجھے چادر اڑھا دو۔" طبیعت بحال ہونے کے بعد حضرت خدیجہ کو جب رسول اللہؐ نے پورا واقعہ سنایا تو انہوں نے آپ کو تسلی دی اور فرمایا، "اللہ آپ کو ہر گز تنہا نہیں چھوڑے گا۔ آپؐ ہمیشہ سچ بولتے ہیں، غریبوں کی دستگیری فرماتے ہیں مہمان نواز ہیں، صلہ رحمی کرتے ہیں، امانتدار ہیں اور دکھی دلوں کی خبر گیری کرتے ہیں۔"

حضرت خدیجہ کے یہ الفاظ رسول اللہؐ کی طرزِ فکر اور پاکیزہ کردار کی پوری پوری عکاسی کر رہے ہیں۔ نزولِ وحی سے پہلے ہی رسول اللہؐ کے حسنِ اخلاق، سچائی، دیانتداری اور معاملہ فہمی کے چرچے عرب کے طول وعرض میں پھیل چکے تھے۔ مکہ کے لوگ رسول اللہؐ کو خوش اخلاق، راست گو، نرم دل، کریم الطبع، پاکیزہ نفس اور اچھے کردار کے حامل فرد کی حیثیت سے جانتے تھے۔

سوچنے اور غور کرنے کی بات یہ ہے کہ سیرت طیبہؐ اور اخلاق حسنہ ہماری زندگی پر کتنی محیط ہیں؟

تعلیماتِ نبویؐ پر عمل نہ کرنا۔۔۔ نافرمانی ہے۔ رسول اللہؐ کے ہر امتی پر لازمی ہے وہ قرآنی علوم کے مطابق اپنا محاسبہ کرے۔

"پھر کیا کیفیت ہو گی (ان لوگوں کی) جب لائیں گے ہم ہر اُمت میں سے ایک گواہ اور لائیں گے تمہیں (اے محمدؐ) اُن پر بطور گواہ۔ اُس دن آرزو کریں گے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور نافرمانی کی رسول کی کاش! (وہ زمین میں سما جائیں اور) برابر کر دی جائے ان پر زمین اور نہ چھپا سکیں گے وہ اللہ سے کوئی بات۔" (النساء۔۴۱-۴۲)

www.ksars.org

محبت کیجئے نفرتوں سے نجات پایئے

انبیاء کرام کی تعلیمات یہ ہیں کہ پوری کائنات میں دو طرزیں کام کر رہی ہیں، ایک طرز اللہ کے لئے پسندیدہ ہے اور دوسری اللہ کے لئے ناپسندیدہ ہے، ناپسندیدہ طرز کا نام شیطنت ہے اور پسندیدہ طرز فکر بندے کو اللہ کے قریب کرتی ہے اس کا نام رحمت ہے۔ جتنے بھی پیغمبر تشریف لائے سب کی طرز فکر یہ تھی کہ ماورائی ہستی اللہ کے ساتھ ہمارا تعلق قائم ہے۔ اور اللہ وحدہ لاشریک ہے اس کے علاوہ کوئی پرستش کے لائق نہیں ہے۔

رسول اللہؐ نے نوع انسانی کی بقا کے جو اصول عطا فرمائے ہیں اس کی اساس توحید ہے یعنی حاکمیتِ اعلیٰ کا حق ذاتِ باری تعالیٰ کے علاوہ کسی کو حاصل نہیں ہو سکتا۔ حقوق اللہ میں سب سے پہلا حق یہ ہے کہ انسان اللہ کی وحدانیت کا اقرار کرے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے اور صرف اللہ کی عبادت کی جائے۔

بندے کے اوپر اللہ کا یہ حق ہے کہ بندے کو اللہ کی ذات اور صفات کی معرفت حاصل ہو، اس کا دل اللہ کی محبت سے سرشار ہو، اس کے اندر عبادت کا ذوق اور اللہ کے عرفان کا تجسس کروٹیں لیتا ہو۔ بندے کا اللہ کے ساتھ اس طرح تعلق استوار ہو جائے کہ بندگی کا ذوق اس کی رگ رگ میں رچ بس جائے۔ یہ بات بھی حقوق اللہ میں شامل ہے کہ بندہ اس بات سے باخبر ہو اور اس کا دل اس بات کی تصدیق کرے کہ میں نے عالم ارواح میں اس بات کا عہد کیا ہے کہ میرا رب، مجھے بنانے والا، خدوخال بخش کر میری پرورش کرنے والا اور میرے لئے وسائل فراہم کرنے والا اللہ ہے اور میں نے اللہ سے اس بات کا عہد کیا ہے کہ میں زندگی، خواہ وہ کسی عالم کی زندگی ہو، آپ کا بندہ اور آپ کا محکوم ہو کر گزاروں گا۔ شیطان میرا کھلا دشمن ہے۔ میں کبھی اس کی ذریت میں شامل نہیں ہونگا۔ ہمیشہ شیطان مردود کے شر اور وسوسوں سے بچنے کی تدابیر اختیار کروں گا۔

رسول اللہؐ کے دیئے ہوئے ضابطہ حیات کا دوسرا بنیادی حقوق العباد پورے کرنا ہے۔ حقوق العباد کی تعریف یہ ہے کہ انسان اس بات کا یقین رکھے سارے نوع انسان اللہ کا ایک کنبہ ہے اور میں خود اس کنبے کا ایک فرد ہوں۔ اور جس طرح کوئی انسان اپنی فلاح و بہبود اور اپنی آسائش کے لئے اہتمام کرتا ہے۔ اسی طرح میں کنبہ کے تمام افراد کی آسائش اور بہبود کے لئے کام کروں گا۔ یہ مخلصانہ جذبہ انسان کے اندر محبت، اخوت، مساوات اور حسن سلوک کا ایسا بیج بو دیتا ہے جو بڑھ کر تناور درخت بنتا ہے تو اس کی ٹھنڈی چھاؤں نہ صرف اس فرد کے لئے بلکہ پوری انسانی برادری کے لئے راحت کا باعث ہوتی ہے۔

حقوق العباد انسانوں میں باہمی معاملات و تعلقات اور اجتماعی طرز عمل کا نام ہے۔ رسول اللہؐ کا ارشاد ہے کہ میں تمہارے پاس اللہ کی کتاب چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ اس مضبوطی کے ساتھ تھامے رکھنا اور اس میں مندرج اللہ کے احکامات کی تعمیل کرنا، تفرقہ میں مت پڑ جانا۔ تفرقہ اجتماعیت میں دراڑیں ڈال دیتا ہے۔ اجتماعی طاقت انفرادی سوچ میں تقسیم ہو جاتی ہے۔

ابلیس کا مشن ہی یہ ہے کہ انسان تفرقوں میں تقسیم ہو جائے جبکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"اللہ کی رسی کو متحد ہو کر مضبوطی کے ساتھ پکڑ لو اور تفرقہ نہ ڈالو۔"

www.ksars.org

رسول اللہؐ کا ارشاد ہے، ''ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے لئے عمارت کی طرح ہے جیسے عمارت کی ایک اینٹ دوسری اینٹ کا سہارا بنتی ہے اور ہر اینٹ دوسری اینٹ کو قوت پہنچاتی ہے۔اس کے بعد آپ نے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں پیوست فرما کر مسلمانوں کے باہمی تعلق اور اخوت و محبت کی مثال دی۔

رسول اللہؐ نے یہ بھی فرمایا:۔۔۔۔"تم مسلمانوں کو باہم رحم دلی، الفت و محبت اور آپس میں تکلیف و راحت کے جذبات میں ایسا پاؤ گے جیسے ایک جسم کہ اگر اس کا ایک عضو بیمار ہو جائے تو سارا جسم بیماری اور بے چینی میں اس عضو کا شریک بن جاتا ہے۔''

اسلام "مکمل اجتماعی پروگرام ہے۔اسلام کا ہر رکن اجتماعی ہے۔

ایک آدمی انفرادی طور پر کام کرتا ہے اور دوسری طرف ایک لاکھ آدمی اجتماعی طور پر کام کرتے ہیں۔اگر اجتماعی قوت کے اصول کے مطابق دین و دنیا کا کوئی بھی کام کیا جائے تو اس میں فتح و کامرانی فرد کی بجائے افراد کو حاصل ہوتی ہے۔

رسول اللہؐ نے امتِ مسلمہ کو غیر متغیر اجتماعی پروگرام عطا فرمایا ہے لیکن مسلمانوں نے تفرقہ نے اجتماعیت کو نگل لیا ہے اور مسلمان اللہ کے حکم پر کاربند نہیں رہے۔ نتیجہ پست حالی اور ذلت و رسوائی ان کا مقدر بن گئی۔

سوال یہ ہے کہ ۔۔۔ایک ایسا جذبہ انسان میں کیسے پیدا ہو کہ وہ ذاتی مفاد کے اوپر اجتماعی مفاد کو ترجیح دے؟

جواب: رسول اللہؐ کی تعلیمات میں تفکر کیا جائے تو حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ آپؐ نے معاشی جدوجہد، معاشرتی روابط اور زندگی کے دیگر معاملات میں ایسا نظام قائم فرمادیا ہے جس کے ذریعہ معاشرہ میں مثبت رونما ہوئی ہیں۔رسول اللہؐ کا بنایا ہوا معاشرہ خلوص، عفو و درگزر، ایثار اور اخلاقی طرزوں پر استوار ہے۔

اجتماعی سوچ اور عمل سے انسان کے اندر مال و دولت کی محبت اور خود غرضی ختم ہو جاتی ہے۔پوری زندگی اللہ کی رضا کا حصول بن جاتی ہے۔ رسول اللہؐ نے حصول معاش میں اعلیٰ معاشرتی، اخلاقی اور قدروں کی پاسداری کر کے عملی مثالیں قائم کی ہیں۔پیغمبرانہ تعلیمات کے ان عملی نمونوں کا مقصد یہ ہے کہ ایک طرف تو ایک آدمی کا عمل دوسرے نے فرد کی فلاح و بہبود کا ذریعہ بن جائے اور دوسری طرف معاشی سرگرمیوں میں بھی بندے کا رشتہ اللہ سے قائم رہے۔

عدل و انصاف کے اصولوں پر کاربند رہنے سے ہی معاشرتی امن اور سکون کی ضمانت دی جاسکتی ہے۔جس معاشرے میں سماجی انصاف میسر نہ ہو، اور استحصالی قوتوں نے عدل کا راستہ بند کر رکھا ہو، وہاں جرائم، لوٹ کھسوٹ، ظلم و جبر کا ایسا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے جس سے معاشرہ برباد ہو جاتا ہے۔

رسول اللہؐ کا ارشاد ہے۔"تم سے پچھلی قومیں اس لئے تباہ کر دی گئیں کہ ان میں جب کوئی بااثر آدمی جرم کرتا تھا تو اسے چھوڑ دیا جاتا تھا اور جب کوئی عام آدمی جرم کرتا تھا تو اُسے سزا دی جاتی تھی۔"

متوازن و مہذب معاشرے کی اکائی "خوشحال گھرانہ" ہے اور گھر کی بنیاد اور رونق عورت ہے۔معاشرے میں راحت و سکون کو یقینی بنانے کے لئے اور معاشرتی اکائی کو مضبوط کرنے کے لئے قرآن اور شارح قرآن نے عورت کی عزت و ناموس کو وہ تحفظ فراہم کیا ہے جس کا تصور موجود نہیں تھا۔ عورتوں پر ذہنی و جسمانی تشدد ہر دور کی روایت رہی ہے۔رسول اللہؐ جس معاشرہ میں تشریف لائے اس کا چہرہ ہزارہا برائیوں سے داغدار تھا۔ زمانہ جاہلیت کے عرب معاشرہ میں بیٹی کی پیدائش سے طرح طرح کے توہمات وابستہ تھے۔ایک قبیح برائی جس سے معاشرہ کا چہرہ جھلس گیا تھا وہ بیٹیوں کو زندہ درگور کرنا تھا۔رسول اللہؐ نے اس جاہلانہ طرز عمل کو ختم کیا

www.ksars.org

اور عورت کو سماج میں ایسا باعزت مقام دلایا جس کی وہ مستحق ہے۔ رسول اللہؐ نے فرمایا، "عورتیں ریاست کا ستون ہیں اگر وہ اچھی تو ریاست بھی اچھی ہے اگر وہ خراب ہیں تو ریاست بھی خراب ہوگی۔"

رسول اللہؐ نے آخری وصیت میں فرمایا، "لوگو! خبردار ہو جاؤ میں تم کو دو کمزوروں کے حقوق ادا کرنے کی وصیت کرتا ہوں اور اس میں کوتاہی کرنے سے ڈراتا ہوں۔ ایک یتیم اور دوسری عورت۔"

رسول اللہؐ کی تعلیمات پر عمل سے عورت کو جب بنیادی حقوق عطا ہو گئے تو محبت اور خلوص پر مبنی معاشرے کی تشکیل ہو گئی۔ ایک ایسا معاشرہ جہاں نہ کوئی مرد کسی عورت پر تشدد کرے نہ طعن و تشنیع اور گالم گلوچ سے اسے ذہنی اذیت پہنچائے اور نہ عورت زبان درازی کر کے معاشرتی اکائی یعنی "خوشحال گھرانے" کا ماحول خراب کرے۔

آج امتِ مسلمہ کو درپیش مسائل کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہم نے اپنے معاشرے کو رسول اللہؐ کی تعلیمات کے مطابق قائم نہیں رکھا۔ ہم بحیثیتِ مجموعی کسی نہ کسی طرح حق تلفی کے مرتکب ہوتے رہے ہیں۔ اس وقت معیشت اور اقتصادیات کی نئی جہت ابھر کر سامنے آئی ہے۔ ذرائع ابلاغ کی ترقی سے عوام الناس کی معلومات اور شعوری سکت میں بہت اضافہ ہو چکا ہے۔ بدلتے ہوئے حالات و واقعات کے تناظر میں رسول اللہؐ کی طرز فکر کے مطابق اشاعت و فروغ میں ہی ہماری کامیابی اور بقا ہے۔ ہم اگر اپنی حالت بہتر بنانا چاہتے ہیں تو ہمارے لئے واحد راستہ یہ ہے کہ رسول اللہؐ کی طرز فکر کو صحیح معنوں میں سمجھیں اور آپؐ کی تعلیمات پر حقیقی معنوں میں عمل کریں۔

فطرتِ انسانی کے رازدار، انسانِ کامل حضرت محمدؐ نے ایک روز دعا فرمائی،

"اے اللہ! میں کفر اور افلاس سے پناہ مانگتا ہوں۔"

کسی نے پوچھا، "کیا یہ دونوں برابر ہیں۔" آپؐ نے فرمایا ہاں دونوں برابر ہیں۔ آپؐ نے تاکید فرمائی، "مسلمانو! محتاجی و مفلسی اور ذلت و خواری سے پناہ مانگا کرو۔"

آپؐ دنیا اور آخرت دونوں کو بہترین انداز میں چلانے کی ہدایت کیا کرتے تھے۔ آپؐ کا فرمان ہے "تم میں سے وہ شخص بہتر نہیں جو آخرت کی وجہ سے اپنی دنیا کو چھوڑ دے اور نہ وہ جو دنیا کی وجہ سے اپنی آخرت کو چھوڑ دے۔ یہاں تک کہ وہ دونوں کو حاصل کرے کیونکہ دنیا آخرت تک پہنچنے کا ذریعہ ہے اور تم لوگوں پر بوجھ نہ بنو۔"

آپ کی دعا سورہ البقرۃ میں اس طرح ہے:

"اے میرے رب! میری دنیا کو اچھا بنا، اور آخرت کو بھی اچھی بنا، اور آگ کے عذاب سے بچا۔"

روئے زمین پر قائم کوئی بھی معاشرہ ہو، کوئی بھی نظام ہو اگر اس میں انسانوں کے بنیادی حقوق کا تعین ہے، خواتین، بچوں اور کمزوروں کو تحفظ کا احساس ہے، حق تلفی اور ظلم کا راستہ روکا گیا ہے، جان و مال اور عزت و آبرو کی حرمت قائم ہے تو درحقیقت وہ معاشرہ صحیح معاشرہ ہے، اب چاہے وہ سائبیریا کے سرد علاقے میں ہو، عرب کے صحراؤں میں ہو، مشرقی دنیا کو کوئی پسماندہ علاقہ ہو یا امریکہ برطانیہ اور دیگر مغربی ممالک کا جدید معاشرہ ہو۔

پست حالی اور ذلت و رسوائی کی زندگی سے نجات حاصل کر کے فتح و کامرانی حاصل کرنے کے لئے رسول اللہؐ نے امتِ مسلمہ کو غیر متغیر اجتماعی پروگرام عطا فرمایا۔ رسول اللہ کی تعلیمات میں اللہ تعالیٰ پر ایمان کو بنیادی حیثیت حاصل ہے، جو کہ حقوق اللہ

www.ksars.org

کے زمرے میں آتا ہے۔اس کے بعد حقوق العباد ہیں جس میں اخلاقی قدروں کی پاسداری کا حکم دیا گیا ہے۔ان دونوں بنیادی باتوں کے ساتھ ساتھ دیگر اہم امور میں غور و فکر، تلاش و جستجو اور ریسرچ کی دعوت ہے جو تعلیمات نبویؐ کے ہمہ گیر ہونے کی دلیل ہے۔

یہ حقیقت بھی روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ رسول اللہؐ کے لائے ہوئے عظیم الشان انقلاب نے نوعِ انسانی کو ایسا علمی و عملی عروج عطا کیا اور ترقی کی اس شاہراہ پر گامزن کر دیا جو حیوانیت سے اُسے ممتاز کرتی ہے۔ حقوق و فرائض کے تعین کے لئے آپؐ کے انقلابی اقدامات سے ذہنوں کے بند دریچے کھل گئے، غور و فکر، تفکر اور عمل کی بنیادی مستحکم ہو گئیں۔

حالات میں مثبت تغیر پیدا کرنے اور صراط مستقیم پر معاشرہ کی تشکیل کا واحد ذریعہ یہ ہے کہ ہم اسوۂ حسنہ پر عمل کریں۔نوعِ انسانی کے لئے بالعموم اور امتِ مسلمہ کے لئے بالخصوص اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔

"اللہ کی رسی کو متحد ہو کر مضبوطی کے ساتھ تھام اور آپس میں تفرقہ نہ ڈالو"

خالق و مخلوق کے رشتہ کو برقرار رکھنے کے لئے رسول اللہؐ نے جو نظام عطا فرمایا ہے اس میں تغیر اور تعطل نہیں ہے۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

"یہ اللہ کی سنت ہے جو چلی آ رہی ہے پہلے سے،اور نہ پاؤ گے تم اللہ کی سنت میں کوئی تبدیلی۔"(الفتح:۲۳)

www.ksars.org

دین و دنیا میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے ہمیں کیا طریقہ اختیار کرنا چاہیے؟

جنوری ۲۰۰۰ء میں مائیکرو سوفٹ نیٹ ورک براڈ کاسٹنگ کی طرف سے ایک بین الاقوامی سروے ہوا۔اس سروے میں یہ طے کیا جانا تھا کہ ایک ہزار سال میں کون سی ہستی سب سے زیادہ محترن اور شخصیت ساز ہوئی ہے۔متفقہ طور پر حضرت محمد ﷺ کو ہزار میں تمام انسانوں میں عظیم انسان تسلیم کیا گیا ہو۔

مشرق و مغرب دونوں خطوں کے دانشوروں نے حضرت محمد ﷺ کو آخری Reference بتایا ہے۔ان کی رائے حضرت محمدؐ کے بعد کوئی ایسی ہستی دنیا میں پیدا نہیں ہوئی جو حضرت محمد ﷺ سے کسی بھی طور پر بڑھ کر ہو۔

ہندو ریسرچ اسکالر ڈاکٹر پنڈت وید پرکاش اپادھیائے نے برس ہا برس کی تحقیق کے بعد ایک معرکۃ الآرا کتاب "کالکی اوتار" لکھی ہے۔آٹھ عالم فاضل پنڈتوں نے بغور مطالعہ کے بعد اس کتاب میں مسودہ کو ہر اعتبار سے درست قرار دیا ہے۔کتاب میں ہندو دھرم کی مقدس کتابوں سے ثابت کیا گیا ہے کہ ہندو مت کے ماننے والے جس آخری اوتار کا انتظار کر رہے ہیں وہ چودہ سو سال پہلے اس دنیا میں تشریف لا چکے ہیں۔آخری پیغمبر (حضرت محمد ﷺ) کی نسبت ڈاکٹر پرکاش نے وضاحت کی ہے کہ قدیم صحائف میں درج کالکی اوتار کے والد کے نام وشنو بھگت مطلب ہے "بھگوان کا غلام یا اللہ کا بندہ" اور والدہ سومتی کے نام کا مطلب "امن و سکون یا قرار" ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے والد محترم کا نام عبد اللہ ہے جس کے معانی "اللہ کا بندہ" کے ہیں جبکہ والدہ محترمہ کا نام آمنہ ہے جو "امن" سے ماخوذ ہے۔ڈاکٹر پرکاش نے اپنی کتاب میں انکشاف کیا ہے کہ قدیم ہندو صحیفوں کے مطابق آخری پیغمبر (کالکی اوتار) کی پیدائش ایک جزیرہ پر ہوگی۔ کھجور اور زیتون ان کی بنیادی خوراک ہوگی اور اپنے علاقے میں سچے اور امین کے طور پر جانے جائیں گے۔ویدوں کے مطابق آخری اوتار کی پیدائش اپنے عہد کے معزز ترین قبیلہ میں ہوگی اور خدا آخری اوتاد کو ایک برق رفتار گھوڑے پر آسمانی سیر کرائے گا۔

مختصراً یہ کہ موجودہ ترقی یافتہ دنیا میں پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ کو سب سے بڑا انسان اور آخری نجات دہندہ کے طور پر تسلیم کیا جا رہا ہے۔یہ قدرت کی طرف سے نوعِ انسانی کی رہنمائی اور حقیقت کی انسپائریشن ہے۔انسپائریشن کو قبول کرنے والے خواتین و حضرات کے قلب و نظر کو وہ روشنی عطا ہو جاتی ہے جو انہیں حقیقت سے آشنا و ہمکنار کر دیتی ہے۔

زمین پر فساد کی ابتداء۔۔۔اس وقت ہوئی جب حضرت آدم کے بیٹے قابیل نے ابلیس کے فریب میں آکر اپنے بھائی ہابیل کا خون کیا۔تب سے اب تک زمانہ نیکی وبدی کے نئے نئے تغیرات سے دوچار ہے۔

حضرت محمد ﷺ کی تشریف آوری کے باعث اولادِ آدم شرف واحترام کے نئے تصورات سے واقف ہوئی۔آپ ﷺ نے اللہ کی آخری کتاب قرآن کے ذریعہ انسان کو فلاح و کامرانی کے اصول اور طور طریقے سکھائے۔آپ ﷺ کی تعلیمات سے انسان نے اس دنیا میں خودداری اور عزت و سربلندی کے ساتھ جینا سیکھا اور آخرت میں سرخروئی کے رازوں سے واقف ہوا۔اور دیکھتے ہی دیکھتے ہر طرف زمین پر امن وامان قائم ہو گیا۔

www.ksars.org

رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات ہمیں رہنمائی عطا کرتی ہیں کہ بندہ ایسی طرز فکر اختیار کرے جو راست بازی، خیر اور تعمیر پر مبنی ہو۔

حضرت محمد ﷺ نے قبیلوں میں منتشر اور خانہ جنگی میں مبتلا لوگوں کو ایک منظم قوم کی شکل دی۔ آپ کی انقلابی قیادت میں مدینہ کی ریاست محض دس سالوں کے اندر دنیا کی تاریخ کے سب سے بڑے انقلاب کا مرکز بن گئی۔ نبی کریم ﷺ نے جو نظامِ زندگی عطا فرمایا اس پر عمل کرکے تھوڑے عرصہ میں ریاست کے پاس اس قدر وسائل آ گئے کہ ریاست غریبوں کی کفیل بن گئی۔ اس نظام پر عمل کرنے سے مملکت میں غربت کی شرح میں تیزی سے کمی ہوئی۔ خوشحالی میں اضافہ ہوا اور تاریخ گواہ ہے کہ وہ دن آ گیا کہ زکوٰۃ دینے والوں کو مستحقین لوگ نہیں ملتے تھے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ ۔۔۔ چودہ سال پہلے کی تعلیمات کو زندگی کا حصہ کیسے بنایا جائے؟ جبکہ انفرادی اور اجتماعی زندگی کے معیارات (Life Standards) میں زمین آسمان کا فرق آ چکا ہے۔ پہلے سفر کے لیے اونٹ، بیل گاڑیاں اور دیگر چوپائے استعمال ہوتے تھے جبکہ آج مہینوں اور ہفتوں پر محیط مسافتیں دنوں اور گھنٹوں میں طے ہو جاتی ہیں۔ معاش اور معاشرت کے لیے رابطے پہلے دقت طلب اور بہت سارا وقت صرف کرکے براہ راست ملاقاتوں پر منتج ہوتے تھے جبکہ انفارمیشن ٹیکنالوجی میں ترقی کی بدولت انسان آج اس قابل ہو چکا ہے کہ اپنے کمرے میں بیٹھ کر دنیا بھر کی خبر رکھ سکتا ہے، دوست احباب سے بالمشافہ گفتگو کر سکتا ہے، ایک بٹن دبا کر کاروباری لین دین کر سکتا ہے۔

حضرت محمد ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے یہ فضیلت دی ہے کہ آپ ﷺ انسانی فطرت کی تمام خوبیوں سے واقف ہیں چودہ سو سال سے اب تک دنیا بہت سے مدوجزر سے گزری، بہت سے عروج و زوال کا مظاہرہ ہوا لیکن حضرت محمد ﷺ کی تعلیمات ہر دور میں نوعِ انسانی کی رہنمائی کرتی رہیں۔

حضرت محمد ﷺ کی تعلیمات جنگ ہو یا امن، خوشی ہو یا غمی، غربت ہو یا امیری، گمنامی ہو یا ناموری، خسارہ ہو یا منافع تحقیق ہو یا تقلید، تدریس ہو یا تحصیلِ عمل، مزدوری ہو یا تجارت ۔۔۔ غرض زندگی کے ہر پہلو، ہر انسانی رویے، ہر طبقہ اور ہر خطہ میں اپنی دائمی اساس پر قائم ہیں۔

اللہ کے محبوب ﷺ کے عہد میں دس سال کے عرصے میں دس لاکھ مربع میل سے زیادہ رقبے پر لاکھوں انسانوں نے نہ صرف آپ ﷺ کی تعلیمات کو تسلیم کیا بلکہ اپنے علاقوں اور قبیلوں پر بحیثیت حکمران آپ ﷺ کی فرماں روائی بھی قبول کی۔ اس طرح تقریباً ۲۷۴ میل روزانہ کے اوسط سے دس سال تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ حیران کن بات یہ ہے کہ ان فتوحات میں دشمن کے ماہانہ اوسطاً دو سے بھی کم آدمی قتل ہوئے، جبکہ مسلمانوں کا جانی نقصان اس سے بھی کئی گنا کم رہا۔ یہ دنیا میں سب سے پُرامن انسانی نفوذ کا حیرت انگیز واقعہ ہے۔ کیونکہ حضرت محمد ﷺ کا اولین مقصد اللہ کے پیغام کو پھیلانا تھا، دلوں میں محبت کے دیپ جلانا تھا، اعلیٰ انسانی قدروں سے آراستہ معاشرہ کی تشکیل کرنا تھا۔

رسول اللہؐ نے امن و آشتی کا پیغام عام کرنے کے ساتھ ساتھ ایک زبردست علمی انقلاب کی بنیاد رکھی جس کی بدولت مختصر سی مدت میں مسلمان قوم علم کی مورثِ اعلیٰ بن گئی۔ صحابہ کرام کی تعلیم و تربیت کے لیے آپؐ نے جو ماحول تشکیل دیا وہ فطری تقاضوں اور اخلاقی معیار کے ساتھ پوری طرح ہم آہنگ تھا۔

www.ksars.org

خطہ عرب میں باقاعدہ تعلیم کا پہلا مرکز "صفہ "رسول اللہؐ نے مسجد نبویؐ میں قائم کیا۔ اس مرکز کی حیثیت مدینہ میں یونیورسٹی کی تھی جس کا بنیادی نصاب قرآن تھا۔ مسجد نبویؐ میں صفہ کی تعمیر سے علم و فن کے حصول کی راہیں متعین ہوئیں اور مظاہر قدرت میں غور و فکر اور تلاش جستجو کے احکامات پر مبنی قرآنِ حکیم کی طرز فکر ذہنوں میں راسخ ہوگئی۔ "صفہ " میں زیر تعلیم طالبات اور طلبہ میں ہر عمر کے لوگ شامل تھے۔ باقاعدہ طالب علموں کے علاوہ کسب معاش کا فریضہ پورا کرنے کے بعد علم حاصل کرنے کے لیے آنے والے طالبعلموں کی تعداد بھی اچھی خاصی تھی۔ ہفتہ میں ایک دن خواتین کے لیے مخصوص تھا۔

صفہ میں علمی نشستوں کا اہتمام اس طرح بھی ہوتا تھا کہ رسول اللہؐ سے قرآن اور قرآن میں بتائی گئی حکمتوں کے بارے میں آپؐ کے ارشادات سننے کے بعد صحابہ کرام ٹولیوں میں بیٹھ کر ان ارشادات میں غور و فکر کرتے تھے اور اپنی اپنی رائے قائم کر کے دوسرے ساتھیوں کے ساتھ تبادلہء خیال کرتے تھے۔ " صفہ " کا ایک حصہ طلباء کے لکھنے پڑھنے اور ابتدائی تعلیم دینے کے لیے مختص تھا۔ دوسرے حصہ میں مختلف ممالک کی زبانیں سکھانے کا انتظام تھا۔ دوسرے ممالک کی سفارت پر جانے والے نبوی سفیر پہلے اُس ملک کی زبان سیکھتے تھے۔ کئی صحابہ کرام ایک سے ذائد زبانیں جانتے تھے۔ حدیث شریف میں ہے کہ "جس نے دشمن کی زبان سیکھ لی وہ دشمن کے شر سے محفوظ ہوگیا۔"

حضور نبی کریمؐ نے فرمایا، "اللہ تعالی نے مجھے علم کے ساتھ مبعوث فرمایا اور اس علم کی مثال اس بارش کی طرح ہے کہ جو کسی جگہ برسی، زمین کے اچھے حصہ نے پانی جذب کیا اور وہاں خوب سبزہ اور گھاس اُگی۔ کچھ زمین بنجر تھی وہاں پانی جمع ہوا، اللہ نے اس لوگوں کو فائدہ پہنچایا، وہاں سے لوگوں نے پانی پیا، جانوروں کو پلایا اور اس سے فصلوں کو سینچا۔ جبکہ کچھ زمین ناہموار، چٹیل میدان کی شکل میں تھی جہاں پانی رکتا ہے نہ گھاس اُگتی ہے۔ پہلی مثال اس شخص کی ہے جس نے دین میں طہارت حاصل کی اور اللہ نے میری بعثت سے اُسے فائدہ پہنچایا چنانچہ اس نے خود سیکھا اور دوسروں سکھایا۔ جبکہ دوسری مثال اُس شخص کی ہے جس نے اللہ کے دین کی طرف توجہ نہیں کی اور جو ہدایت دے کر مجھے مبعوث کیا گیا ہے اس قبول نہیں کیا۔"

رسول اللہؐ صرف زبانی تعلیم ہی نہیں دیتے تھے بلکہ خود عمل کر کے عملی تربیت کے مراحل بھی طے کراتے تھے۔ رسول اللہؐ کا ارشاد ہے، "علم پکارتا پس اگر علم آجاتا ہے تو علم ٹھہر جاتا ہے۔۔۔ ورنہ چلا جاتا ہے۔"

رسول اللہؐ کی خدمت میں ایک مرتبہ حضرت کلاہ بن حنبل حاضر ہوئے اور سلام کئے بغیر محفل میں شریک ہوگئے۔ رسول اللہؐ نے انہیں محفل میں مہذب طریقہ سے شامل ہونے کا طریقہ عملی طور پر یوں تعلیم کیا کہ انہیں حکم دیا کہ واپس لوٹ جاؤ، پہلے اسلام علیکم کہو اور پھر پوچھو کیا میں اندر داخل ہو سکتا ہے ہوں۔

عام مشاہدہ ہے کہ عادتوں کو مستحکم کرنے میں تکرار کی بڑی اہمیت ہے۔ جب کوئی بار بار اور بکثرت کیا جاتا ہے تو عادت مستحکم ہو جاتی ہے۔ جدید تحرباتی تحقیق نے یادداشت اور تکرار کے درمیان مضبوط رشتہ ثابت کیا ہے۔ تکرار سے معلومات ذہن پر نقش ہو جاتی ہے اور فن میں پختگی آتی ہے۔ رسول اللہؐ جو بات بھی تعلیم فرماتے تھے اسے تاکیداً ایک سے زیادہ مرتبہ دہراتے تھے تاکہ سننے والے پوری طرح سمجھ جائیں اور اُن کے ذہن معانی کا احاطہ کرلیں۔ حضرت انس فرماتے ہیں کہ نبی کریمؐ جب کوئی بات سمجھاتے تو اسے تین مرتبہ دہراتے تاکہ بات اچھی طرح سمجھ لی جائے۔

www.ksars.org

حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ ہم لوگ رسول اللہؐ سے قرآن کی دس آیات سیکھتے تھے اور اس کے بعد والی دس آیات اس وقت تک نہیں سیکھتے تھے اور اس کے بعد والی دس آیات اس وقت تک نہیں سیکھتے جب تک کہ پہلی دس آیات کے معنی کو اچھی طرح جان کر ان پر عمل نہ کرلیں۔

رسول اللہؐ کے دوران لوگوں کو متوجہ رکھنے، ان کے ذہنوں میں غور وفکر کی طرزیں مستحکم کرنے اور سوچنے سمجھنے کی صلاحیتوں کو استعمال کرنے کی طرف بھی بھرپور توجہ دیتے تھے۔ اس کا ایک طریقہ یہ تھا کہ آپ دوران گفتگو حاضرین سے سوالات کرتے تھے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر خطاب کے دوران آپؐ نے حاضرین کو مخاطب کر کے فرمایا، "یہ کونسا مہینہ ہے؟" حاضرین نے جواب دیا کہ اللہ اور اس کا رسولؐ زیادہ واقف ہیں۔ رسول اللہؐ نے توقف فرمایا، صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ ہم نے یہ خیال کیا کہ آپؐ کسی اور نام سے اس مہینہ کو پکاریں گے۔ تھوڑی دیر کے بعد رسول اللہؐ نے فرمایا۔۔۔ "کیا یہ ذی الحج نہیں ہے؟" حاضرین نے یک زبان ہو کر عرض یا، کیوں نہیں یہ ذی الحج ہی ہے۔ پھر رسول اللہؐ نے ستفسار کیا، "یہ کون سا شہر ہے؟"۔ کچھ توقف کے بعد آپؐ نے فرمایا۔۔ "کیا یہ مکہ معظمہ نہیں ہے؟" لوگوں نے عرض کیا، کیوں نہیں۔ پھر رسول اللہؐ نے سوال کیا، "یہ کون سا دن ہے؟" کچھ دیر سکوت کے بعد آپؐ نے فرمایا۔۔۔۔ "کیا یہ یوم النحر (قربانی کا دن) نہیں ہے؟"۔ صحابہ کرام نے عرض کیا، جی ہاں بالکل ہے۔ اس طرح رسول اللہؐ نے پاک دن، پاک مقام اور پاک مہینہ کی اہمیت واضح کرنے کے بعد فرمایا۔۔۔ "بے شک تمہارا خون، تمہارا مال اور آبرو ایک دوسرے پر اس طرح حرام ہے جس طرح تمہارے لیے یہ دن، شہر اور مہینہ۔"

علم و عمل کے ساتھ ساتھ شخصی تعمیر (Personal Growth) کے دیگر پہلوؤں کی طرف بھی رسول اللہؐ نے خصوصی توجہ دی ہے۔ شخصیت کی تعمیر یا ٹوٹ پھوٹ میں ہم نشینوں کی صحبت اور ان کے ماحول کا بڑا اثر ہے۔ مجموعی طور پر پاک طینت افراد کے درمیان رہنے کی تعلیم رسول اللہؐ کے اس ارشاد سے واضح ہے۔ "آدمی اپنے دوست کے مذہب پر ہوتا اس لیے دیکھ لینا چاہئے کہ تم کس سے دوستی کر رہے ہو۔" اسی طرح قدسی نفس برگزیدہ بندے کی تلاش اور قربت وصحبت اختیار کرنے کا حکم دیتے ہوئے رسول اللہؐ نے فرمایا، "جس نے زمانے کے امام کو ادراک قلبی سے تلاش نہیں کیا وہ جاہلیت کی موت مرا۔"

ایک مرتبہ رسول اللہؐ صحابہ کرام کے درمیان جلوہ افروز تھے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا، "تم مومن کو ہی اپنا ساتھی بناؤ"۔ ایک صاحب نے پوچھا "ہم نشین کیسے ہونے چاہئیں اور کن لوگوں کی قربت اختیار کی جائے؟ رسول اللہؐ نے فرمایا۔۔۔۔ "جن کو دیکھ کر خدا یاد آجائے۔۔۔ جن کی گفتگو سے تمہارے علم میں اضافہ ہو اور۔۔۔ جن کا عمل تمہیں آخرت کی یاد دلادے۔" ایک اور موقع پر آپؐ نے ارشاد فرمایا، "چار باتیں آدمی کی خوش نصیبی کی علامت ہیں۔ اس کی بیوی نیک ہو، اولاد فرمانبردار اور صالح ہو، اس کے ساتھی نیک ہوں اور اس کا رزق اپنے وطن میں ہو۔"

مالکِ ارض وسمانے رسول اللہؐ کو عالمین کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ آپؐ دنیا بھر کے انسانوں کے لیے معلم وہادی ہیں اور امراض ظاہری و باطنی کے لیے طبیب کامل بھی۔ آپؐ نے روحانیت، تہذیب و تمدن اور معاشرت کے اعلیٰ اصول دنیا کو بتائے، پاکیزہ اور صحت بخش زندگی کے انمول فارمولوں کا فہم عطا کیا اور معمولاتِ زندگی کو بہتر طور پر جاری رکھنے کے لیے صحتمند تفریح اپنانے کی عملی تعلیم دی۔ یہ تعلیم نبویؐ کا اعجاز ہے کہ آج کے مہذب معاشرہ میں ان تمام انسانی ضروریات کا خیال رکھا جاتا ہے جو ایک صحتمند اور فعال معاشرہ کے لیے لازمی ہے۔

www.ksars.org

اہل باطن کہتے ہیں کہ زمانہ کسی بھی نہج پر رواں دواں ہو، حقیقت ہر دور اور ہر ماحول میں یکساں رہتی ہے۔ رسول اللہؐ کی حیات طیبہ میں زندگی کے ہر شعبہ سے تعلق رکھنے والے فرد کے لیے، زندگی کے ہر کردار کے لیے رہنما مثالیں موجود ہیں۔ یہ رہنمائی اسقدر جامع اور مکمل ہے کہ زمانہ کی دست برد اس پر اثر انداز نہیں ہوتی۔۔۔ بلکہ یہ ہر دور اور ارتقاء کے ہر زینہ پر۔۔۔ نوعِ انسانی کے لیے اس کا اتباع۔۔۔ کامیابی اور کامرانی کی ضمانت ہے۔

سیرت طیبہ کا مطالعہ یہ حقیقت آشکار کرتا ہے کہ رسول اللہؐ نے معاشرے میں نہایت عملی اور تعمیری کردار ادا فرمایا ہے اور ایسی مثالیں قائم کی ہیں جو کہ ہر دور میں ہر فرد کے لیے قابل تقلید ہیں۔ آپؐ ایک مخلص شوہر تھے، آپؐ صاحبِ شفقت باپ تھے، فرمانبردار بیٹے اور تابعدار بھتیجے تھے۔ خیر خواہ ہمسائے اور قابل بھروسہ ساتھی تھے۔ ہمدرد آجر (Employer) اور دیانتدار تاجر تھے۔ آپؐ رشتہ داروں کا خیال رکھنے والے اور عہد کا پاس کرنے والے تھے۔ خوش اخلاق، دانش مند، امانتدار اور رحمدل انسان تھے۔

گھر کے فرد سے لیکر خاندان کے سربراہ تک، قریبی دوست سے لیکر دور کی قرابت داری تک یا روزگارِ حیات میں معمولی اجیر سے لیکر صاحب ثروت آجر تک غرض انسانی معاشرے کا کوئی بھی کردار ہو، رسول اللہؐ کی طرز فکر سے ہر کوئی اپنی استعداد کے لحاظ سے روشنی حاصل کر سکتا ہے۔ معاشرہ میں فرد چاہے کوئی بھی کردار ادا کر رہا ہے اگر خلوص نیت، خیر خواہی، محبت و اخلاص سے اپنی ذمہ داریاں پوری کرے تو معاشرتی فلاح و بہبود کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا جائیگا۔ معاشرے کے افراد بظاہر الگ الگ ہونے کے باوجود ایک زنجیر کی کڑیوں کی طرح آپس میں جڑے ہوئے ہیں۔ اسی لیے رسول اللہؐ نے قطع تعلق کو ناپسند فرمایا ہے۔ ارشاد نبویؐ ہے، "تم میں سے کسی شخص کے لیے یہ روا نہیں کہ ایک دوسرے سے تین دن سے زیادہ قطع تعلق کرلے۔ تم میں سے بہتر وہ ہے جو صلح میں پہل کرے۔"

گھر معاشرے کا بنیادی یونٹ ہے۔ معاشرے کی بہتری یا ابتری کا انحصار اس بنیادی یونٹ کے استحکام پر ہے۔ اگر گھر ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جائے تو اس کے افراد معاشرتی بگاڑ کا باعث بن جاتے ہیں۔ میاں بیوی اگر ایکدوسرے سے مخلص اور خیر خواہ ہوں ایک دوسرے کے حقوق کا بھرپور خیال رکھیں۔ چھوٹی موٹی غلطیوں کو نظرانداز کر کے ایک دوسرے کا ادب احترام ملحوظ رکھیں تو یہ گھر ایک ایسا ادارہ (Institution) بن جاتا ہے جس کے افراد اوروں کے لیے قابل تقلید مثال ہیں۔

ایک سفر کے دوران رسول اللہؐ کی زوجہ محترمہ ام المؤمنین حضرت صفیہؓ کا اونٹ پیچھے رہ گیا تو وہ رونے لگیں۔ رسول اللہؐ کو جب معلوم ہوا تو آپؐ اُن کے پاس گئے اور تسلی دی۔ آپؐ جس قدر تسلی دیتے اور زیادہ روتی تھیں۔ رسول اللہؐ اپنی چادر کے پلو سے اس وقت تک اُم المومنین حضرت صفیہ کے آنسو پونچھتے رہے جب تک ان کے آنسو بند نہیں ہو گئے۔

ایک مرتبہ اُم المومنین حضرت حفصہ نے اُم المومنین حضرت صفیہؓ سے کہہ دیا کہ تم پہلے یہودی تھیں جب کہ ہم آپؐ کی برادری سے ہیں۔ ام المومنین حضرت صفیہؓ غمناک ہو گئیں۔ رسول اللہؐ جب اُن کے پاس تشریف لائے تو وہ رو رہی تھیں۔ صورت حال معلوم ہونے پر آپؐ نے فرمایا، "اس میں رونے کی کون سی بات ہے۔ تم نے کیوں نہ کہا کہ میرا باپ ہارونؑ ہے اور میرا چچا موسیٰؑ ہے جب کہ میرا شوہر محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے پھر بھلا مجھ سے بڑھ کر کون ہو سکتا ہے؟" اس تسلی آمیز جواب پر حضرت صفیہؓ خوش گئیں۔

ایک مرتبہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کسی بات پر ناراض ہو گئیں اور دوران گفتگو اُن کی آواز رسول اللہؐ سے بلند ہو گئی۔ اسی دوران حضرت عائشہؓ کے والد ابو بکر صدیقؓ تشریف لے آئے۔ انہوں نے جب یہ دیکھا تو ہاتھ اُٹھا کر بیٹی کی طرف بڑھے۔ رسول اللہؐ باپ بیٹی

www.ksars.org

کے درمیان آ گئے۔ حضرت عائشہؓ سہم کر بیٹھ گئیں۔ رسول اللہؐ اُن کے پاس آئے اور مسکراتے ہوئے فرمایا، "دیکھا عائشہؓ! میں نے کس طرح تمہیں بچالیا؟ یہ سن کر حضرت عائشہؓ کا سارا غصہ اور خوف ختم ہو گیا اور وہ بھی مسکرانے لگیں۔

ماں باپ اولاد کی پرورش جب اس طرزِ فکر کے تحت کرتے ہیں کہ اولاد اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ایک نعمت اور ذمہ داری ہے جس کو احسن طریقہ سے پروان چڑھا کر ہم اللہ اور اس کے رسول اللہؐ کے حضور سرخرو ہونگے اور اس میں کوئی اور غرض وغایت شامل نہیں ہوتی، تو ایسے ماں باپ کی اولاد سعید اور سعادت مند ہوتی ہے، اور وہ والدین کو اللہ تعالیٰ کا انعام اور رحمت کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔

حضرت زینب رسول اللہؐ کی صاحبزادیوں میں سب سے بڑی تھیں، کم سنی میں ہی ان کی شادی ابوالعاص بن ربیع سے ہو گئی تھی۔ ہجرت کے دوسرے سال جنگ بدر ہوئی تو حضرت زینب کے شوہر ابوالعاص بھی قریش کی جانب سے شریک ہوئے اور جنگی قیدی بنے۔ مکہ والوں نے اپنے قیدی چھڑانے کے لیے فدیہ بھیجا۔ حضرت زینب نے اپنے شوہر کی رہائی کے لیے جہیز کا قیمتی عقیق کا ہار عمرو بن ربیع کو دے کر مدینہ بھیجا۔ قیدی اور فدیہ میں بھیجی جانے والی اشیاء رسول اللہؐ کی خدمت میں پیش کی گئیں۔ آپؐ بیٹی کا ہار دیکھ کر خاموش اور مغموم ہو گئے۔ رسول اللہؐ نے اپنے صحابہ کرام سے فرمایا، "یہ ہار محمدؐ کی بیٹی زینب کا ہے جو اس کی ماں خدیجہ نے اسے جہیز میں دیا تھا۔ میں نہیں چاہتا کہ ابوالعاص کو فدیہ کے بغیر چھوڑ دیا جائے لیکن مناسب سمجھو تو یہ ہار زینب کو واپس کر دو اور ابوالعاص کو کسی فدیہ کے عوض رہا کر دو۔ تم خود سوچو کہ فدیہ کیا ہو۔" صحابہ کرام نے مشورہ کے بعد فیصلہ کیا کہ ابوالعاص کو کسی اور فدیہ کے عوض رہا کر دو۔ تم خود سوچو کہ فدیہ کیا ہو۔" صحابہ کرام نے مشورہ کے بعد فیصلہ کیا کہ ابوالعاص کا فدیہ یہ ہے کہ مکہ جا کر رسول اللہؐ کی بیٹی کو حضرت زینب کو مدینہ بھیج دیں گے لہٰذا ہار واپس کر دیا جائے۔ رسول اللہؐ کو جب اس فیصلہ کی اطلاع ملی تو آپؐ کا چہرہ خوشی سے چمک اُٹھا۔

رسول اللہؐ کا معمول تھا کہ جب بھی سفر پر روانہ ہوتے تو سب سے ملنے کے بعد آخر میں حضرت فاطمہ کے پاس جاتے اور وہیں سے رخصت ہوتے اور جب واپس تشریف لاتے تو پہلے حضرت فاطمہ کے گھر خیریت معلوم کرنے جاتے تھے۔ منبر نبویؐ پر خطبہ دیتے ہوئے بارہا ایسا ہوا کہ نونہال حسن اور حسین تیز دوڑتے ہوئے مسجد کے صحن می داخل ہوتے اور جلد سے جلد منبر تک پہنچنے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے۔ رسول اللہ منبر سے اتر کر نواسوں کے پاس جاتے انہیں گود میں اُٹھا لیتے اور منبر کے پاس انہیں لا کر سامنے بٹھا لیتے تھے۔

صحابہ کرام نے یہ بھی دیکھا کہ رسول اللہؐ نماز ادا کر رہے ہیں اور آپؐ کی ننھی نواسی امامہؓ بھاگ کر آئیں اور نانا پر سوار ہو گئیں رسول اللہؐ جب رکوع کرنے لگے تو نواسی کو نرمی سے گود میں لے کر نیچے اتار دیا اور رکوع وسجود کے بعد پیاری نواسی پھر نانا کے کندھوں پر سوار ہو گئیں۔ نماز سے فارغ ہو کر رسول اللہؐ نے اس معصوم شرارت پر نواسی کو بہت دیر تک محبت کے ساتھ سینہ اطہر سے چمٹائے رکھا۔ رسول اللہؐ مسجد نبویؐ میں تشریف فرما تھے کہ حضرت زینبؓ نے کہلوا بھیجا کہ آپ کا نواسہ آخری سانسیں لے رہا ہے رسول اللہؐ اُٹھ کر کھڑے ہو گئے اور بیٹی کے گھر تشریف لے گئے۔ حضرت زینب نے بچہ آپ کی گود میں ڈال دیا۔ نواسہ آخری ہچکیاں لے رہا تھا، یہ دیکھ کر آپؐ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ ساتھ آءے صحابہ کرام میں سے حضرت سعد بن عبادہ نے کہا یا رسول اللہؐ آپ رو رہے ہیں؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا۔ "یہ رحم ہے رحم، جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں میں پیدا کیا ہے اور اللہ انہی بندوں پر رحم فرماتا ہے جو آپس میں ایک دوسرے پر رحم کرتے ہیں۔"

رسول اللہؐ اپنے والد ماجد حضرت عبداللہ کی خادمہ اُم ایمن کا بہت ادب واحترام کیا کرتے تھے۔ آپؐ اُن کے مکان پر تشریف لے جاتے اور فرماتے تھے، "میری دوسری ماں ہیں۔"

www.ksars.org

رسول اللہؐ کی رضاعی والدہ حضرت حلیمہ سعدیہ جب بھی تشریف لاتیں۔ آپؐ میری اماں کہہ کر احتراماً کھڑے ہو جاتے اور اپنی چادر اُتار کر اُن کے بیٹھنے کے لیے بچھا دیتے تھے۔ جب تک حضرت حلیمہ سعدیہ بیٹھ نہ جاتیں آپؐ کھڑے رہتے تھے۔

قبیلہ بنو سعد کے بہت سے مرد اور عورتیں ایک جنگ میں اسیر ہو گئے تو حضرت حلیمہ سعدیہ ان کی رہائی کے لیے رسول اللہ کے پاس آئیں۔ آپؐ نے اُسی وقت اپنے اور اپنے خاندان کے حصہ کے قیدی رہا کر دیئے اور صحابہ کرام سے فرمایا۔ "میری رضاعی والدہ حلیمہ جنگی قیدیوں کی رہائی کے لیے میرے پاس آئی ہیں۔ میں نے پنا حصہ آزاد کر دیا ہے تم بھی میری رضاعی والدہ کی قوم کو آزاد کر دو۔" چنانچہ بنو سعد کے تمام مرد اور عورتیں رہا کر دیئے گئے۔

قبیلہ ہوازن کی جنگ کے بعد جنگی قیدی جب رسول اللہؐ کی خدمت میں پیش کئے گئے تو اُن میں آپؐ کی رضاعی بہن حضرت شیما بھی تھیں۔ حضرت شیما نے اپنا تعارف کرایا اور آپؐ کو وہ زمانہ یاد دلایا کہ جب وہ آپ کو گود میں لیکر یہ گیت گاتی تھیں، "اے رب محمدؐ کو جیتا رکھ کہ ہم اپنی آنکھون سے ان کو جوان اور ایک معزز سردار دیکھیں۔ ان سے حسد کرنے والے دشمن ذلیل اور سرنگوں ہوں۔ خدایا! تو انہیں ایسی عزت عطا کر جو ہمیشہ ہمیشہ رہے۔" خدا کا شکر ہے کہ یہ سب کچھ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ یہ کہتے ہوئے حضرت شیما کی آنکھوں میں خوشی سے آنسو رواں ہو گئے۔ بچپن کی باتیں سن کر اور رضاعی بہن سے مل کر رسول اللہؐ کی آنکھیں بھی بھیگ گئیں۔ آپؐ نے عزت سے بہن کو بٹھایا اور کہا، "اگر تم میرے پاس رہنا چاہو تو خوشی سے یہاں رہو، اور اگر اپنے قبیلہ میں واپس جانا چاہو تو وہاں روانہ کر دیا جائے گا۔ حضرت شیماؓ نے اپنے قبیلہ میں واپس جانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ رسول اللہؐ نے انہیں تین غلام، ایک کنیز، بکری اور کچھ نقد رقم دیکر عزت و احترام کے ساتھ رخصت کر دیا۔

حضرت فاطمہ کسی بات ناراض ہو کر رسول اللہؐ کے پاس آئیں اور حضرت علی کے سخت رویہ کی شکایت کرتے ہوئے رونے لگیں۔ حضرت علی انہیں لینے آئے لیکن باپ بیٹی کو گفتگو کرتا دیکھ کر انہیں رسول اللہؐ کا سامنا کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔ چہیتی بیٹی کو روتا دیکھ کر رسول اللہؐ مغموم ہوئے لیکن عزیز داماد کے خلاف کوئی بات کہنے کی بجائے آپؐ نے شفقت سے حضرت فاطمہ کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے فرمایا، "بیٹی! تمہارا نکاح اس شخص سے کیا گیا ہے جو قریش کے جوانوں میں افضل ہے اور اسلام لانے میں جس نے پہل کی ہے۔ میاں بیوی میں ایسی چھوٹی موٹی باتیں ہو جاتی ہیں۔ اللہ تم دونوں کو خوش اور آباد رکھے اور میں تم دونوں کو دیکھ کر اپنی آنکھیں ٹھنڈی کروں۔"

غزوۂ بدر کے قیدیوں میں رسول اللہؐ کے چچا عباسؓ شامل تھے۔ جنگی قیدیوں کے ہاتھ پیر رسیوں سے بندھے ہوئے تھے۔ حضرت عباس کی رسیاں اتنی سخت بندھی ہوئی تھیں کے درد سے کراہ رہے تھے۔ رسول اللہؐ کے کانوں تک حضرت عباس کے کراہنے کی آواز پہنچی تو آپؐ بے قرار ہو گئے اور بے چینی سے کروٹیں بدلنے لگے۔ رسول اللہؐ کی بیقراری کی وجہ چند جاں نثار صحابہ کرام سمجھ گئے۔ انہوں نے فوراً جا کر حضرت عباس کی رسیوں کی گرفت ڈھیلی کر دی۔ کراہیں بند ہو گئیں تو رسول اللہؐ کو بھی آرام ملا اور آپؐ سو گئے۔

رسول اللہؐ عید کی نماز کے لیے جا رہے تھے۔ عید کی چہل پہل تھی۔ راستے میں آپؐ نے ایک بچے کو دیکھا جو پرانے کپڑے افسردہ وہ غمگیں ایک طرف کھڑا تھا اور کھیل کود میں دوسرے بچوں کے ساتھ شریک نہیں تھا۔ رسول اللہؐ اس کے پاس تشریف لے گئے اور شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے پوچھا، "بیٹے کیوں نہیں کھیل رہے ہو؟ تم نے کپڑے بھی نہیں بدلے، اتنے افسردہ کیوں ہو؟" ہمدردی کے دو بول سن کر بچے کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، اس نے سر اُٹھا کر ایک نظر اس مہرباں ہستی پر ڈالی جو اس کے سر پر دستِ شفقت رکھنے آیا تھا اور بولا، "میرا باپ ایک جنگ میں اللہ کے دشمنوں سے لڑتے ہوئے شہید ہو گیا ہے، میری ماں

www.ksars.org

نے دوسری شادی جس شخص سے کی ہے اُس نے ناراض ہو کر مجھے نکال دیا۔ میرا اب اس دنیا میں کوئی بھی نہیں ہے۔ بچے کی دکھ بھری داستان سن کر رسول اللہؐ نے اسے سینے سے لگایا اور فرمایا، "کیا تم پسند کرو گے کہ محمدؐ تمہارے باپ ہوں اور عائشہ تمہاری ماں ہوں۔ علی تمہارے چچا ہوں اور حسن اور حسین تمہارے بھائی ہوں۔" بچہ یہ سن کر خوشی اور حیرت کی ملی جلی کیفیت میں رسول اللہؐ کا چہرہ اقدس تکنے لگا اور بولا۔ "مجھ سے زیادہ خوش نصیب کون ہو گا کہ مجھے اللہ کے رسول اللہؐ کا خاندان مل رہا ہے۔" یہ بچہ آخر وقت تک رسول اللہؐ کے پاس رہا۔

تجارت رسول اللہؐ کا ذریعہ معاش تھا۔ آپؐ معاملہ میں اسقدر راست باز تھے کہ مکہ کے تاجر اس انتظار میں رہتے کہ آپؐ تجارتی قافلہ لیکر جائیں اور وہ بلاخوف و خطر اپنا مال آپؐ کے سپرد کر دیں آپؐ نے جب بھی تجارتی سفر کیا تاجروں کو اچھا نفع ملا اور کسی کو آپؐ سے کوئی شکایت نہیں ہوئی۔ حضرت خدیجہ جو کہ مکہ کی ایک متمول تاجرہ تھیں، ان سے تعارف اور تعلق کا ذریعہ بھی آپؐ کی یہی کاروباری صداقت اور امانت داری تھی۔

ایک مرتبہ رسول اللہؐ کا گزر بازار سے ہوا۔ ایک بدو غلہ بیچ رہا تھا۔ آپؐ اس کے پاس تشریف لے گئے اور غلہ کے ڈھیر میں دستِ مبارک ڈالا جس سے انگلی تر ہو گئی۔ آپؐ نے غلہ والے سے پوچھا، "یہ کیا ہے؟ اس نے عذر پیش کیا کہ بارش کا پانی لگ گیا تھا۔ آپؐ نے سرزنش فرمائی، "تم نے اس کو اوپر کیوں نہیں رکھا تاکہ خریدنے والا اس کو دیکھ سکے" پھر ارشاد فرمایا، "جو شخص دھوکہ دے وہ ہم میں سے نہیں۔"

طارق بن عبداللہ کہتے ہیں کہ ہم چند افراد کھجوریں خریدنے مدینہ گئے ہمارے پاس ایک سرخ اونٹ تھا۔ مدینہ کے نواح میں ایک صاحب سے ہماری ملاقات ہوئی۔ انہوں نے اونٹ خریدنے میں دلچسپی ظاہر کی تو ہم نے کھجور کے بدلے میں اونٹ کا سودا طے کیا۔ وہ صاحب اونٹ کی مہار پکڑ کر شہر کی جانب روانہ ہو گئے اور کہا کہ کھجوریں بھجواتا ہوں۔ ان کے جانے کے بعد ہمیں خیال آیا کہ ایک اجنبی کو اونٹ دے دیا۔ ہمارے سردار کی بیوی نے کہا، تم لوگ ذرا بھی فکر نہ کرو۔ اونٹ کے خریدار کا چہرہ چودھویں کے چاند سے زیادہ روشن ہے، یہ شخص دھوکہ نہیں دے سکتا۔ کچھ دیر کے بعد شہر کی جانب سے ایک شخص تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا ہمارے پاس آیا، اور مطلوبہ مقدار سے زیادہ کھجوریں دیتے ہوئے کہا: اللہ کے رسول اللہؐ نے تم سے جو سودا کیا ہے یہ اس کی کھجوریں ہیں۔ اضافی کھجوریں مہمانداری کے لیے ہیں۔"

www.ksars.org